سائیں کے سو خیال

(۱) دِل و دماغ کی تربیت

انسانی جسم میں دل و دماغ اعضاء رئیسہ کہلاتے ہیں۔ اور انسانی زندگی میں دل و دماغ کی تربیت سے بہتر اور خوشتر کوئی کام نہیں ہے۔ یہ دُنیا سچ مُچ ایک قسم کی تعلیم گاہ ہے۔ بعض اس کو مزرعۃ الآخرۃ کہتے ہیں۔ بعض اس کو کرم کشیتر کہتے ہیں۔ اور اس میں کوئی کلام نہیں۔ اس کی حیثیت ایسی ہی ہے۔ اس جگہ ہم کو قدم قدم پر اپنی درستگی و تربیت کا موقع حاصل ہے:

بہترین طریقہ دل و دماغ کی تربیت کا یہ ہے۔ کہ انسان ہمیشہ مصروف رہے۔ مصروفیت سے وہ نہ صرف مضبوط و توانا رہیگا۔ بلکہ اپنی آیندہ تندرستی قایم رکھنے میں برابر کامیاب ہوگا۔ اگر اس سے کام نہ لیا جائے تو وہ قبل از وقت ناکارہ بن جاتا ہے۔ اور طرح طرح کی بیماریاں اس پر حملہ آور ہوتی رہتی ہیں۔ بے شغلی کا مضر نتیجہ یہاں ہی تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ بیکاری کی وجہ سے انسان اپنی اخلاقی حالت کو بھی قایم نہیں رکھ سکتا اور ایک زمانہ ایسا آجاتا ہے۔ کہ پھر وہ انسانیت کے رتبہ سے گر جاتا ہے:

ہم ہیں اوسط درجہ کے آدمیوں کو مجبوراً کام کرنا پڑتا ہے۔ لیکن
ایسے گھرانوں میں جو رئیس اور دولتمند کہلاتے ہیں۔ کام کرنا معیوب
اور شرم کی بات سمجھی جاتی ہے۔ اس سے زیادہ افسوسناک اور کیا
بات ہو سکتی ہے! قدرت کا ہر ذرہ حرکت میں ہے۔ اس قدرت
کا حکم ہے۔ کہ ہر کس و ناکس کام میں لگا رہے۔ اور اس لئے ہم کو
تم کو ہر ایک کو خواہ ہم سوسائٹی کے کسی درجہ میں قایم کئے گئے
ہوں کام کرتے رہنے کی سخت ضرورت ہے۔ اگر اس میں ذرا سی
غفلت ہوئی۔ تو پھر دل و دماغ کو لطیف بننے کا موقع ہاتھ نہ آئیگا۔
اور نہ ہم اچھی طرح پر ماتما کی سرشٹی کی غرض اور اپنی زندگی کا
مقصد سمجھ سکینگے۔ ایک فارسی کے شاعر نے کیا اچھا کہا ہے۔

ابر۔ باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند
تا تو نانے بہ کف آری و بہ غفلت نہ خوری
این ہمہ بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار
شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرمان نہ بری

(۲) کام کرنیسے دبکی دبی ہوئی قوتیں اُبھرتی ہیں

چاہے کسی قسم کا ہو۔ اپنی طبعیت کو اس کی طرف لگاؤ۔ جو لوگ
یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کام ادنےٰ قسم کا ہے۔ یہ اعلےٰ قسم کا ہے وہ غلطی پر ہیں
قدرت میں کہیں اعلےٰ ادنےٰ کا کوئی درجہ نہیں قایم کیا گیا۔ ہر کام

کو اور ہر شخص کو اپنی اپنی جگہ پر اہمیت ہے۔ اور جیسے کسی انجن
(کل) کے تمام پُرزوں کو متحرک رکھنے کے لئے سخت ضروری ہیں
ویسے ہی دُنیا کی تمام مخلوق کو سمجھنا چاہئیے۔ پھر اس کام کی تہ میں
ایک بات اور بھی ہے۔ اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے مان بھی لیں۔ کہ
نیچر میں امتیاز کے درجے موجود ہیں۔ تو ہم دیکھینگے۔ کہ کام کرنے والے
آدمی کبھی کسی ایک حالت میں نہیں رکھے جا سکتے۔ کام کرتے کرتے
اِن کی عقل و تمیز کی قوت کو ترقی کا موقع ملتا ہے۔ اور جہاں نیچر
نے اِن کو بہتر کام کے لئے موزون دیکھا۔ اُسی وقت ایک درجہ
سے دوسرے درجہ میں خود بخود ترقی دیجاتی ہے۔ صرف کام میں
اپنی قابلیت دکھلانے اور اس کے مشاقی کرنے کی دیر ہے۔ تم
کبھی کسی آدمی کو جو سچ مچ دِل لگا کر کام کر رہا ہو۔ ایک ہی جگہ میں
نہ پاؤگے۔ اِنسان کی ترقی اُس کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ دل
سے کام کرتا ہے۔ تو اس کی چھپی ہوئی طاقتیں اُبھر کر اس کو چند
روز میں کچھ کا کچھ بنا دینگی۔ اور اگر یہ وصف نہیں ہے۔ تو وہ برابر
پاؤں کے تلے روندا جائیگا۔ اور جب تک پھر کام کرنے کی حیثیت و
لیاقت نہ پیدا کر لیگا ہونچی حالت پر نہ آئیگا؛

---

(۳) شائستگی و اخلاق

جن میں شائستگی و اخلاق ہے۔ وہ کسی جگہ بھی رہ کر ہردلعزیز
بن جاتے ہیں۔ اور جو اس وصف سے خالی ہیں۔ وہ دُنیا کی عزت
سے محروم رہتے ہیں۔ جن میں یہ وصف ہے۔ وہ اپنے ملنے والوں
کو نہ صرف خوش کر دیتے ہیں۔ بلکہ اُن کی خوش اطواری و خوش
سلیقگی دلوں میں جگہ پیدا کرتی ہے۔ تہذیب و اخلاق شرافت کے
اعلےٰ نشان ہیں۔ جن میں شائستگی ہے۔ وہ فضول دعوے نہیں
کرتے۔ بلکہ اپنے طور وطریقوں سے ثابت کرتے ہیں۔ کہ وہ
اوروں پر ترجیح پانے کے قابل ہیں۔ ایک پارسی شاعر کا کلام
ہے:

ادب تاج ست از فضل الٰہی
بنہ بر سر برو ہر جا کہ خواہی

"با ادب خوش نصیب و بے ادب بد نصیب" یہ ایک عام
مسئلہ ہے۔ اور اس کے سچے ہونے میں ذرا بھی شک نہیں ہے
گو خوش اخلاق کہلانے کے لئے بہت سے آدمی خوشامد اور
تملق کی عادت سیکھتے ہیں۔ مگر ان کی وجہ سے کبھی اخلاق کی سند
نہیں حاصل ہو سکتی۔ یہ تو اُن بیہودہ طبیعتوں کے ڈھنگ ہیں
جن کو ایشور کی طرف سے اصلی لیاقت نہیں عطا ہوئی۔ جو دل

کا پاک ہے۔ جس کا مزاج نیک ہے۔ جس کو تھوڑی بہت تعلیم
ملی ہے۔ اور وہ اس کی برکت کو جانتا ہے۔ جس میں ادب و تمیز
ہے۔ اور جو سلف ریسپکٹ کے اصول کو سمجھتا ہے۔ صرف وہی
خوش اخلاق بن سکتا ہے۔ اُس کو تم کسی سے بھی لے جا کر ملاؤ۔
تم کو شرمندہ نہ ہونا پڑیگا۔ اور نہ وہ کبھی کسی طرح کے برتاؤ میں
حد اعتدال سے تجاوز کریگا۔

(۴) دِل و دِماغ

ایک دولتمند آدمی ہاتھ میں کتاب لے پڑھ رہا تھا۔ پھٹے پُرانے
چیتھڑے لپیٹے ہوئے کوئی غریب عورت اس کے پاس آئی "
مہاراج! میں مالن ہوں۔ یا تو یہ پھول مول لے لیجئے۔ یا کچھ مجھکو
بطور خیرات دیجئے"۔
جواب ملا "میرے پاس اس وقت کچھ نہیں ہے"۔
مالن نے کہا "میں بیوہ ہوں۔ تین غریب لڑکے کل سے بھوکے
ہیں۔ کچھ دے دیجئے جان و مال کی دعا دونگی"۔
"میں نے ایک دفعہ کہہ دیا۔ تو نہیں سنتی۔ جا بھاگ جا۔ یہاں
کچھ نہ ملیگا"۔
ایک پڑھے لکھے صاحب دماغ کے الفاظ تھے۔ غریب عورت
وہاں سے چلی گئی۔ ابھی وہ بہت دور نہ گئی ہوگی کہ دولتمند شخص

کا بھولا و کمسن لڑکا دوڑتا ہوا آیا۔ "پتاجی کیا اچھا ہوتا۔ اس وقت
آپ کے پاس پیسے موجود ہوتے۔ اور یہ غریب ناامید ہو کر نہ جاتی۔
میرے لئے کھانا تیار ہو رہا ہے۔ اس کے بچے بھوکے مرینگے۔ کیا
مجھکو بھوکا دیکھکر آپ کو دُکھ نہ ہوگا؟"

بچے کی باتوں نے باپ کے دل پر اثر کیا۔ اُس نے ایک چونّی
نکال کر اُس کو دی۔ اور وہ تتلاتی ہوئی زبان میں شور مچاتا ہوا
بیوہ کے پاس دوڑ آگیا۔ "لے۔ اب تو تیرے لڑکے بھوکے نہ
مرینگے"۔

چند لمحوں کے بعد وہ واپس آکر کہنے لگا "پتاجی! بڈھیا آپ
کو اور مجھکو آشیرباد دیتی تھی۔ وہ واپس آرہی تھی۔ میں نے
منع کیا۔ چلتے وقت اس نے کہا "میرے بچوں کے لئے تین دن
کا کھانا مل گیا۔ بھگوان تم کو سکھی رکھیں"۔

ان باتوں کو سنکر دولتمند آدمی کی آنکھ میں پانی بھر آیا۔

دیہہ دھرے کا گن یہی۔ دیہہ دیہہ کچھ دیہہ
کہیں کبیرا۔ دیہہ تو جب لگ تیری دیہہ

(۵) ایک بڈھا جاپانی کاریگر

چند سال گذرے چند یوروپین سیاح جاپان میں سیر کر رہے

تھے۔ اُن کا گذر ایک کاریگر کی دوکان پر ہوا۔ جو ہاتھی دانت کا کام
کرتا تھا۔ مسافروں نے ایک ہاتھی دانت کو پسند کیا۔ جس پر
بڑی نفاست سے کام کیا ہوا تھا۔ سیاحوں نے قیمت پوچھی۔ ایک
سو تیس روپیہ دام بتایا گیا۔ قیمت واجبی تھی۔ اور ایک شخص
نے خریدنے کی خواہش ظاہر کی۔ مگر قبل اس کے کہ مال خریدار
کے ہاتھ میں جائے۔ کاریگر نے اس کو بغور ملاحظہ کیا۔ اور نقش
میں کچھ نقص پاکر سیاح کو دکھلایا۔ اس نے کہا "کچھ مضایقہ نہیں
اس سے اُس کی قیمت میں فرق نہیں آتا۔ اور پھر سوائے تمہاری
مشتاق آنکھوں کے کسی اور میں اتنی تمیز کہاں سے آسکتی ہے۔
کہ اس نقص کا پتہ پا سکے"۔ کاریگر نے کہا "قیمت کا مضایقہ نہیں
لیکن اس دوکان سے کبھی کسی قسم کا مال نہیں دیا جا سکتا جس
میں ذرہ بھی نقص ہو۔ میں اب یہ ہاتھی دانت تمہارے ہاتھ نہ
بیچونگا"۔

کیا ہمارے ملک میں بھی اس اصول کے کاریگر ہیں؟

اس واقعہ پر حاشیہ چڑھانا فضول ہے۔ ناظرین خود نتیجہ اخذ
اخذ کریں۔

(۶) مرد و عورت کیلئے چند مفید نصیحتیں

کبھی ایک کو دوسرے پر غصہ نہ ہونا چاہئے۔

کبھی ایک کو دوسرے کے بھول چونک پر ملامت نہ کرنا چاہیئے ؛
کبھی عورت کو کسی بات کے لئے دوبارہ درخواست کرنیکا موقع نہ دو
کبھی اگلی محبت کو نہ بھولو ؛
کبھی پیار و محبت ظاہر کئے بغیر نہ ملا کرو ؛
کبھی ایک دوسرے کی شکایت نہ کرو ؛
چاہے ساری دُنیا کو بھول جاؤ۔ مگر ایک دوسرے کو نہ بھولو ؛
غصہ یا رنج کو موقع نہ دو۔ کہ تمہارے دلوں کو صدمہ پہونچا دیں
کبھی زور و شور کے ساتھ بات کرو ؛
اگر کسی سے غلطی ہو جاوے۔ تو فوراً ایک دوسرے معافی مانگ لو
جو اس اصول پر کام کرینگے۔ اُنکا گھر سورگ دھام بنا رہیگا ؛

(۷) ترغیب کے سامان

اگر گناہ سے بچنے کا خیال ہے۔ تو ایسے اسباب سے ہمیشہ بچتے رہو۔ جو تمہاری عادتوں کو گناہ کی طرف لے جانے والے ہیں جو ایسی کوشش نہیں کرتا۔ اسکو ایشور کی طرف سے مدد بھی نہیں ملتی۔ چنگاری کو بجھا دو شعلوں کے بھڑکنے کا وقت ہی نہیں آویگا۔ جس کو غصہ ہی نہیں آتا۔ وہ کبھی کشت و خون نہ کریگا اور جو خواہش کو پیدا ہوتے ہی مار دیتا ہے۔ وہ کیوں شہوت وغیرہ مذموم باتوں میں پھنسنے لگا! جو قسم تک کھانے سے

محترز رہتا ہے۔ وہ کبھی جھوٹ نہ بولیگا۔ اور جو لالچ کے جال کو پہلے سے توڑ دیتا ہے۔ اس کو کون فریب دینے لگا؟

(۸) ایک سچی صلاح

جس میں قوت ارادی اور سوچنے کی طاقت ہے۔ اور اُن کے ہوتے ہوئے اگر وہ غفلت کرتا ہے۔ تو اس کو اس غفلت کا جوابدہ سمجھنا چاہیئے۔ ہر وقت روشنی کے ظہور کے ساتھ نئے مخطرات رہتے ہیں۔ اگر اس میں اچھی سمجھ بوجھ ہے۔ تو اس روشنی کو جذب کرنے۔ اس کے حاصل کرنے۔ اس سے فرحت پانے اور روح کو نئے نئے الہام کے واسطے تیار کرنے کی قابلیت پیدا کرنا چاہیئے۔ روشنی کے مقابلہ میں ماں۔ باپ۔ بھائی بیوی اور لڑکے تک سے نفرت کرنا بُرا نہیں ہے۔ لیکن روشنی سے روگردانی کرنا سخت غلطی ہے۔ گو دُنیا کے تمام ساز و سامان پاس موجود ہوں۔ اِن سب سے مُنہ موڑ لو۔ بیوفا بن جاؤ کسی کے کہنے سُننے کی پرواہ نہ کرو۔ مگر روشنی کو قبول کر لو۔ بہتر ہے۔ روشنی کی وجہ سے لوگ تم کو لعنت ملامت کریں۔ تم سے ناراض ہوں۔ تم کو وہ نادان وبیجا کہیں۔ یہ سب منظور کر لو مگر روشنی کا ساتھ دو "

رالف والڈو۔ ایمرسن

ایک کی بہتری کے خیال سے گاؤں کو چھوڑ دو۔ گاؤں
کی بھلائی کی فکر میں شہر کو چھوڑ دو۔ شہر کی بہتری کی نظر سے
مُلک کو چھوڑ دو۔ لیکن اگر اپنی آتما کی بہتری کے لئے گاؤں۔
شہر۔ مُلک اور دُنیا کے چھوڑنے کی ضرورت محسوس ہو۔ تو
سب کو ترک کرو اور اپنے آتما کو بچالو۔"

(۹) ایک استعارہ

مہابھارت کے ستری پرب میں دہرت راشٹر کو تعلیم
دیتے وقت بدر اس طرح کہتا ہے "مہاراج! ایک لق ودق
بیابان کے درمیان ایک گھنا جنگل ہے۔ جس میں ہر قسم کے
خوفناک ومہیب وحشی درندے شکار کی تاک میں لگے رہتے ہیں
انسان اِس جنگل میں بھٹکتا ہوا خواہشمند ہے۔ کہ اس کو کوئی
سلامتی کی جگہ مل جائے۔ جہاں بھوکے وخونخوار جانوروں سے نجات
حاصل ہو۔ مگر کوئی ایسی جگہ نہیں ملتی۔ جدھر وہ رُخ کرتا ہے اُسی
طرف شیر۔ بھیڑیے۔ چیتے۔ ریچھ اس کے ہڑپنے کے لئے تیار رہتے ہیں
جدھر جاتا ہے۔ وہاں ہی ڈراونی صورت کے اژدہا۔ سانپ اور
زہریلے بچھو کاٹنے کو موجود ہیں۔ بیچارے کو کہیں ٹھکانا نہیں آخرکار
ایک کریہہ صورت عورت دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے اُس سے

ہمکنار ہونے کو جھپٹتی ہے۔ انسان مجبور ہے۔ بچ نہیں سکتا۔ اُسکے
گرفت میں آجاتا ہے۔ اور پھر اُس کی پریشانیاں روز بروز بڑھتی
جاتی ہیں۔ شیر درندے عفریت واژدھا سب نسبتاً اُس سے
اچھے تھے۔ وہ بھاگتا جاتا ہے۔ مگر کہاں بھاگ کر جاسکتا ہے۔ عورت
اُس کے گلے کا ہار بنجاتی ہے۔ اور اس زور سے چمٹتی ہے۔ کہ انسان
کو اُس کے پنجہ سے رہائی پانا امر محال ہوجاتا ہے۔ آگے چل کر وہ
ایک عمیق غار میں مُنہ کے بل گر پڑتا ہے۔ جس میں کٹیلے وخاردار
جھاڑیاں بھری ہیں۔ سر نیچے پاؤں اُوپر۔ آخر ایک ٹہنی ہاتھ آجاتی
ہے۔ اور اُس کو پکڑ کر وہ لٹک رہتا ہے۔ غار کے دہانہ پر ایک عجیب
وغریب شکل کا ہاتھی کھڑا ہے۔ جس کے دیکھنے ہی سے رونگٹے کھڑے
ہوجاتے ہیں۔ اُس کے چھ مُنہہ اور بارہ ٹانگیں ہیں۔ اور اس تاک
میں لگا ہے۔ کہ آدمی کو چیر کر دو کردے۔ غار کے اندر مُنہہ کھولے
ہوئے ایک زہریلا کالا ناگ ہے۔ اور چاہتا ہے انسان اُس تک
پہونچ جائے اور وہ اُس کو لقمۂ تر کی طرح چبا جائے۔ خاردار جھاڑیوں
میں شہد کا چھتا ہے۔ جس کے اردگرد مکھیاں بھٹک رہی ہیں۔ اس
چھتے سے کبھی کبھی دو چار بوندیں ٹپک کر انسان کے مُنہہ میں جاتی
ہیں۔ جن کو چاٹ کر نہ صرف اس کو سیری ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ اور
بھی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اور باوجودیکہ وہ تمام بلیات کا شکار
ہے۔ مگر شہد کی بوند کی خواہش میں مضطرب ہے۔ سفید وسیاہ
رنگ کے دو چوہے اِس جھاڑی کی جڑ کو کُتر رہے ہیں۔ مگر انسان

اتنا غافل ہے کہ شہد کی بوند کے سوا کسی کو دیکھنا نہیں چاہتا؛

راجن! یہ استعارہ ہے۔ لق ودق بیابان دُنیا ہے۔ گھنا جنگل انسان کی زندگی ہے۔ درندے جانور طرح طرح کی بیماریاں ہیں۔ بدشکل عورت بڑھاپا ہے۔ عمیق غار یہ انسانی جسم ہے۔ اندر کا سانپ کال ہے۔ جھاڑیاں جن میں وہ اُلجھا ہوا ہے۔ خواہشوں وباسناؤں کا گورکھ دھندا ہے۔ ہاتھی برس ہے جس کے چھ مُنہہ چھ موسم اور بارہ ٹانگیں بارہ مہینے ہیں۔ سفید وسیاہ رنگ کے چوہے رات ودن ہیں۔ جو انسان کی زندگی کے درخت کو کُترتے رہتے ہیں۔ شہد کا چھتا خواہشوں کے پوری ہونے سے مُراد ہے۔"

یہ استعارہ شرح کا محتاج نہیں ہے؛

(۱۰) موکش اور بندھن

کہاں کا موکش اور کہاں کا بندھن! اگر ہم سچ مچ آزاد ہیں۔ تو ہم کو کون غلام بنا سکتا ہے! اور اگر ہم خود ہی غلام بنے ہیں۔ تو دوسرا ہم کو آزاد بھی نہیں کر سکتا۔ ہماری حیثیت دنیا میں کیا ہے؟ اس کے بتلانے کی ضرورت ہے۔ کبیر صاحب فرماتے ہیں:-

کبیر نر بندھن بندہ رہا بندہ نر بندھن ہوئے
کرم کرے کرنا نہیں۔ داس کہاوے سوئے

ترجمہ:- کبیر آزاد ہو کر پھر بھی بندھن میں ہے۔ اور بندھن

میں رہ کر آزاد ہے۔ کرم کرنیوالا نہیں ہے۔ داس ایسے ہی کو کہتے ہیں"!

بندھن میں آزاد اور آزادی میں بندھا ہوا۔ یہ کیا بات ہوئی نا آشنا کانوں کے لئے یہ ایک مالاینحل معمہ ہے۔ تمثیل ومثال سے اس کی وضاحت ہو جائیگی۔

ایک دولتمند شخص نے اپنے بچہ کی پرورش کے لئے کسی دایہ کو مقرر کیا۔ بچہ خوبصورت اور سورگ لوک کے دیوتاؤں کے لڑکوں کی صورت تھا۔ دایہ نے اس کو محبت کی گود میں اٹھا لیا۔ بڑے پیار سے پالنے لگی۔ وہ اس کی آنکھوں کا تارا بن گیا۔ اور ایک دم کے لئے اس سے علیحدہ ہونا نہیں چاہتا تھا۔ ماں کو یہ حالت دیکھکر رشک آیا۔" بیٹا میرا اور دایہ سے اتنا پیار کرے! میں اسکو برداشت نہیں کر سکتی!" اس نے دایہ سے کہا "تو نے میرے بیٹے کو اپنا کر لیا۔ چل یہاں سے دور دفع ہو" دایہ مُسکراتی ہوئی اُٹھی۔ اور اپنا اسباب لیکر بلا کسی فکر وتردد کے گھر کا راستہ لیا۔ اب آپ نے سمجھا؟

لڑکا دایہ کا نہیں تھا۔ وہ یہ جانتی تھی۔ اور جانتی ہوئی اپنے کو اس کی محبت کے پھندے میں پھنسا رکھا تھا۔ وہ آزاد تھی۔ مگر آزاد ہوتی ہوئی بندھی تھی۔ اور جب اس کو علیحدگی حکم دیا گیا وہ بندھن سے جُدا ہو کر جھٹ آزاد ہو گئی۔ یہ نر بندھن میں بندہ اور بندہ میں نر بندھن کا مطلب ہے۔ اور اگر ہم اپنے دنیاوی کاروبار

میں اسی سپرٹ سے کام لیتے ہیں۔ تو ہم کو بھی بندھن اور موکش کے جھگڑے میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔

(۱۱) امانت میں خیانت کیوں ہو

لڑکے بالے مال۔ اسباب سب پرماتما کے ہیں۔ یہ سب ہم کو امانت کی طرح ملے ہیں۔ خبردار! اپنی جوابدھی و اپنی ذمہ واری سے کبھی ایک لمحہ کے لئے غافل نہ بنو۔ ان کی پرداخت و حفاظت ضرور کرو۔ مگر اپنے پنے، کے مرض سے دور رہو۔ پھر کبیر صاحب کی آواز کان میں آتی ہے۔

میرا مجھ کو کچھ نہیں جو کچھ ہے سو تور
تیرا تجھ کو سونپتے کیا لاگے گا مور

ترجمہ "میرا اپنا کچھ بھی نہیں ہے۔ جو کچھ ہے وہ تیرا ہے۔ تیری امانت کو سونپتے ہوئے مجھ کو کیا لگتا ہے۔"

مگر پرماتما کہتے ہیں۔ سن

تیرا تجھ میں کچھ نہیں جو کچھ ہے سو مور
میرا مجھ کو سونپتے جی ڈرپے گا تور

ترجمہ "(یہ سچ ہے) تیرا تجھ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ جو کچھ ہے وہ میرا ہے۔ مگر پھر بھی میری امانت سپرد کرتے ہوئے۔ تیرا جی

ڈریگا۔

یہ نپٹ سنساریوں کا حال ہے۔

لیکن گورو کی دیا سے جن کے دل کی آنکھین کھل گئی ہیں اُن کی کیا حالت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے۔

دُکھ سُکھ ایک سمان کر۔ ہرش شوک نہیں بیاپ
پر اُپکاری۔ نہہ کامنا۔ اوپجے چھوہ نہ تاپ

ترجمہ۔ "دُکھ سُکھ کی حیثیت ایک ہو گئی۔ نہ رنج ہے نہ خوشی ہے۔ دوسروں کے لئے کام کرتے ہیں۔ اپنے لئے کچھ خواہش نہیں ایسی حالت میں نہ کسی کی محبت ہے۔ نہ کسی طرح کا دُکھ ہے۔"

کرشن بھگوان فرماتے ہیں، "جس کی بدھی کو کہیں بندھن نہیں ہے۔ جس نے آتما کو اپنا کر لیا۔ خواہشوں کی طرف سے مُردہ ہے۔ وہ کرم کا تیاگ کر کے موکش کی تکمل حالت کو واصل ہوتا ہے"

نانک صاحب کا قول ہے۔

جیسے جل میں کنول نرالم۔ مُرغابی نشانئے
سورت شبد بھو ساگر ترے نانک نام بکھانیے

ترجمہ۔ جیسے جل میں رہ کر بھی کنول اس سے الگ ہے۔ اور جس طرح مرغابی کے پر و بال پانی سے نم نہیں ہوتے۔ ویسے ہی سورت شبد کے ذریعہ بھوساگر پار کرنا چاہیئے۔ اور نام کا جاپ ایسوں ہی کے لئے ہے۔"

لیکن یہ حالت کیسے میسر آسکتی ہے؟ کیا تدبیر ہے جس سے
یہ رنگ گاڑھا ہو جائے۔ اور کبھی پھیکا نہ ہو۔؟ اس سوال کے جواب
میں سنت اس طرح فرماتے ہیں۔

ٹوٹے بندھن تاس کے ہو آسادھو سنگ
جو راتے رنگ ایک کے نانک گوڑھا رنگ

ترجمہ: "جنہوں نے سادھو کا ست سنگ کیا۔ اُن کے بندھن
ٹوٹ گئے۔ جو ایک مالک کے رنگ میں رنگے ہیں۔ نانک! اُن کا
رنگ گاڑھا ہے"۔

(۱۲) اصلی مرض اور اسکا علاج

ہم آخر کیوں بندھن میں ہیں؟ کیسے بندھن میں ہیں۔ کیسے بندھن میں
آئے؟ اور کیسے چھوٹ سکتے ہیں۔ ان کا جواب آسان ہے۔ مگر سمجھنا مشکل
ہے۔ ہم کو اگیان کی وجہ سے بندھن ہے۔ ست کو۔ است و است کو ست
جڑ کو چیتن چیتن کو جڑ۔ نت کو انت اور انت کو نت جاننا یہ اگیان ہے۔
اسی اگیان کے بس میں آکر ہم بندھ جاتے ہیں۔ اس اگیان کے بس
میں ہم کب آئے۔ اور کیسے آئے ایک ایسا مشکل سوال ہے۔ کہ جس کا
جواب نہیں دیا جا سکتا۔ کون جانے ہم کب سے اگیان کے پنجہ میں آ
شکار بنے ہیں۔ یہ سچ ہے۔ ہمارے من کے اندر ابتدا سے لیکر آج تک
تمام واقعات کی تصویریں سنسکار روپ سے موجود ہیں۔ اُن کے

پتہ لینے کے لئے ہم کو اور جگہ جانے کی ضرورت نہیں۔ ہر شخص کا دل
بلکہ قدرت کا ذرہ ذرہ اپنی تواریخ اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ اس کی شکل
و صورت خود ایک قسم کی تواریخ ہے۔ مگر ایسے لوگ کم ہیں۔ جو
اِس کی ورق گردانی کر سکیں اور اصلیت کا پتہ معلوم کریں۔ یہ
صرف کے ممکن ہے۔ تاہم اپنے معلومات کو وسیع کر کے۔ دُنیا کے اصول
کو سمجھ کر۔ من کی تربیت و تادیب کر کے ہم بہت کچھ خود بخود جان سکتے
ہیں۔ اور بندر بج ظاہری علم " دراصل ہو کر گیانی کے حل
میں باریابی کا موقع حاصل کر سکتے ہیں۔ جب ہم کو یہ گیان مل گیا۔ پھر
بندھن کی زنجیر آپ ہی آپ ٹوٹ جاتی ہے۔ اور قیدی قید خانہ کے رنج
ٹوک سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ دراصل گیان ہی ایک ایسی چیز ہے۔
جو موکش کا ادھکاری بناتی ہے۔

(۱۳) بخل بُرا ہے

وہ شخص کبھی کسی بزرگی کے درجہ کو نہیں حاصل کر سکتا جس نے
یہ نہیں سمجھ لیا۔ کہ اُس کی اپنی زندگی کسی حد تک اُس کی قوم۔ ملک اور
کل دنیا کی زندگی ہے۔ اور اُس کو کسی نہ کسی صورت میں ان سب
کو ایک قسم کا قرض ادا کرنا ہے۔ قرض کا لفظ کرینہ ہے۔ شاید یہ
غلط فہمی کا بھی باعث ہو۔ اس لئے اس خیال کو اس طرح ظاہر کرنا
شاید زیادہ موزوں ہوگا۔ کہ جو کچھ اس کو ایشور کی طرف سے ملا ہے

وہ بنی نوع کو تقسیم کرتا رہے۔ اگر وہ دولتمند ہے۔ اپنی دولت
سے محتاج و غریبوں کو فایدہ پہونچائے۔ اگر اس میں دماغی طاقت
ہے۔ تو وہ اُس طاقت کو اوروں کی ترقی دینے میں صرف کرے گا
وہ اہل خیال ہے۔ تو دُنیا کو اپنے اعلےٰ خیالات کا حصہ بخش جائے۔
غرضیکہ ہر ایک شخص کو جو نیکنامی اور شہرت کا وارث بنا چاہتا ہے
اُس کے لئے یہ لازمی بات ہے۔ کہ اپنے بھائیوں کا اپنے شہر والوں
کا خیال رکھے۔

یہ اعلےٰ قسم کی عبادت ہے۔ اور اِس سے اُسی طرح روحانیت
کی ترقی ہوتی ہے۔ جس سے یوگیوں کو یوگ کرنے سے حاصل ہوتی
ہے۔ اِس کو یاد رکھو۔ اگر تم دل کے تنگ ہو۔ اگر بخل کرتے ہو۔ اگر
خود غرض بنتے ہو۔ تو نہ تو تم اصلیت سے ہمکنار ہو گے۔ نہ تم میں
بڑائی آویگی۔ نہ لافانیت اور موکش کے ادھیکاری بن سکو گے؛

(۱۴) ایک قصہ

بلخ کے بادشاہ کی نسبت ایک مشہور قصہ بیان کیا جاتا ہے۔
ایک دن رات کے وقت یہ شخص بالاخانہ پر سو رہا تھا۔ خواب میں
دیکھا۔ کہ ایشور کے فرشتے اُس کے سرہانے کھڑے ہوئے بات چیت
کر رہے ہیں۔ اس کو حیرت ہوئی۔ سر اُٹھا کر پوچھا۔ "بھائی! تم کون
ہو؟ یہاں کیوں آئے ہو! اور کیا کر رہے ہو۔" انہوں نے جواب

دیا "ہم ایشور کے فرشتے ہیں۔ دُنیا میں ایشور کے پیاروں کی
فہرست بنانے آئے ہیں۔ وہ اب تک مکمل نہیں ہوئی۔ اُسی کی
نسبت بات چیت کر رہے ہیں"؛

بادشاہ نے پوچھا "بھلا دیکھو تو صحیح۔ اِس فہرست میں میرا
بھی کہیں نام آیا ہے یا نہیں؟" فرشتوں نے وہ فہرست پیش کی
بادشاہ کا نام کہیں نہ نکلا۔ بادشاہ کو سخت رنج ہوا۔ کیونکہ وہ اپنے
آپ کو مالک کا پیارا سمجھ رہا تھا۔ آب دیدہ ہو کر اُن سے کہا "نیک
بندو! جب تم ایشور کے حضور میں جاؤ تو میری طرف سے یہ درخواست
کرنا۔ گو مجھ میں ایشور کے پیارے کہلانے کے اوصاف نہ ہوں۔
میں گنہگار اور بُرا آدمی ہوں۔ مگر میں اس کی مخلوق کی خدمت
کا دم بھرتا ہوں میری زندگی کا کوئی لمحہ خالی نہیں جاتا۔ جس میں
میں آدمیوں کی بہتری کے وسائل عمل میں نہ لاتا ہوں۔ عبادت
کرنے میں اِس مصروفیت کی وجہ سے مجھ سے قصور ہوتا ہے۔
اس لئے تم میرا نام ایشور کے بندوں کے خادموں میں درج
ہونے کی سفارش کرنا۔"

فرشتے چلے گئے۔ وہ تھوڑی دیر بعد پھر آئے۔ بادشاہ ابھی
سوچ رہا تھا۔ پوچھا "میری درخواست قبول ہوئی یا نہیں"؟
فرشتوں نے مسکراتے ہوئے فہرست پیش کی۔ اور دیکھو اس
بادشاہ کا نام جلی حرفوں میں ایشور کے پیاروں کی فہرست کی چوٹی
پر لکھا تھا۔ جو لوگ ایشور کی مخلوق کو فایدہ پہونچاتے ہیں۔ جو ان

کی خدمت کرتے ہیں۔ وہ مالک کے سچے پیارے بنتے ہیں۔
اس مضمون کو ایک فارسی زبان کے شاعر نے زوردار لفظوں
میں اس طرح بیان کیا ہے:۔

عبادت بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح سجادہ و دلق نیست

(۱۵) عمل

مذہبی خیالات۔ مذہبی اصول۔ مذہبی قانون کی دراصل کوئی
وقعت نہیں رہتی۔ اگر اُن سے اور اُن کی پابندی کی وجہ سے انسان
میں پاکیزگی۔ ایمانداری علم اور بُردباری کی عادات نہیں پیدا ہوتے
کتابوں کا مذہب کوئی مذہب نہیں ہے۔ سچا مذہب وہ ہے۔ جس کی
تعلیم کا نور مذہب والے کے چال وچلن میں نمایاں شکل میں نظر
آوے۔ اگر کوئی خود بُرا ہے۔ اور کہتا ہے کہ ایشور نیک ہے۔ تم اس
کی بات مت سُنو۔ کیونکہ اُس کو ایشور کی نیکی کے محسوس کرنیکا
موقع نہیں ملا ہے۔ اگر کوئی کہتا ہے۔ کہ ایشور پریم ہے۔ اور اُس
میں پریم کا شمہ بھی نہیں ہے۔ تو سمجھ لو وہ فضول گو ہے۔ اُس نے
ایشور کے پریم کو نہیں جانا ہے۔ جو جس کا تصور کرتا ہے۔ جسکی صحبت
میں رہتا ہے۔ جس کے متعلق گفتگو کرتا ہے۔ اُس میں اُس آدمی کی
خوبو اثر انداز ہوتے ہیں۔ پھر کیسے ممکن ہے۔ کہ ایشور کا بھجن کرنے

والا۔ ایشور کے عشق کا دم بھرنے والا۔ ایشور کا راگ الاپنے والا
ایشور کی سچی بھگتی سے خالی رہے۔ انسان جو سمجھتا ہے۔ وہی ہو جاتا
ہے۔ اگر کسی شخص میں اُس کے قول عملی شکل نہیں اختیار کرتے۔
تو وہ مکار اور دھوکہ باز ہے۔ اور اُس کی قربت سے بچنا چاہیئے۔

(۱۶) علم معرفت کی تعلیم

تعلیم ہر شخص کو ملنی چاہیئے۔ انسان کا حق ہے۔ کہ تعلیم پاوے اور
انسان کا فرض ہے۔ کہ وہ اپنی لیاقت و قابلیت کے موافق تعلیم دیے
لیکن تعلیم کی خواہش سب سے پہلے تعلیم پانے والے کے دل میں پیدا
ہونی چاہیئے۔ یہاں تعلیم سے مُراد وہ تربیت نہیں ہے۔ جو بچوں کو جبر
کے ساتھ دی جاتی ہے۔ بلکہ مذہبی تعلیم۔ علم عرفان کی تعلیم علم الروح
کی تعلیم سے مُراد ہے۔ جو علم معرفت کے شائق ہیں۔ ان میں چند یقینی
علامات ہوتے ہیں۔ جنکو تجربہ کار معلم جانتے ہیں۔ یہ اس کے استحقاق
و ادھکار کی نشانیاں ہیں۔ اور وہ اُن کا فایدہ اُٹھا کر اُس کے من کی
تربیت کرکے اُن ضروری نکتوں کا علم بخشتے ہیں۔ جو اس کی روحانی
ترقی کے مددگار ہوتے ہیں۔ اگر کسی طالب علم میں سرگرمی اور باریک
فہمی کے اوصاف نہ ہوں۔ تو اس کو خواہ مخواہ تکلیف دینا خواہ اس
کے خیال سے خود تکلیف اُٹھانا سخت غلطی ہوگی۔ وہ ابھی تک تعلیم کے
قابل نہیں ہوا ہے۔ کچھ دن ابھی اور اُس کو امید داری میں رہنے کی

ضرورت ہے۔ وقت آویگا۔ جب اُس میں قابلیتیں پیدا ہونگی۔ اس وقت تعلیم دینا مفید ثابت ہوگا۔ روحانی علم کا شوق خود طالب علم کے دل میں پیدا ہونا چاہئیے۔ جبر و سختی اس کام میں بے سود ہوتی ہے ودا ایسے کو تعلیم دینا۔ تعلیم کی ذلت کرنا ہے؛

(۱۷) سادھن یا شغل

جسم۔ دل و دماغ اِن سب میں جب لطافت آتی ہے، تب روح کے مسایل کے حل کی طرف طبیعت رجوع ہوتی ہے۔ روحانی باتوں کے سمجھنے کے لئے اچھے دماغ کی ضرورت ہے۔ اور اس کے ساتھ ایشور کا وشواش بھی مقدم ہے۔ ممکن ہے۔ دماغ اچھا ہو۔ لیکن اگر ایشور میں وشواش نہیں ہے۔ تو وہ ایشور کے متعلق مسایل میں پختہ رس نہیں ہوگا۔ اس لئے پہلے اِس سادھن کی ضرورت ہے۔ جو دماغ کو پرماتما کی طرف مایل کریں۔ اور جب دل و دماغ دونوں کا میلان اِس طرف ہوگا۔ وہ سچی تعلم کا مستحق قرار پایگا؛

(۱۸) سچائی کے پیار کی پہچان

سچائی کے ثبوت کا یقینی ذریعہ یہ ہے۔ کہ انسان اپنے اصول پر ثابت قدمی سے قایم رہے۔ اگر وہ اپنے آپ کو کسی خاص اصول پر

قربان کرنے کو ہر وقت تیار ہے۔ تو سمجھ لو سچائی نے اُس پر تصرف پالیا ہے۔ روپیہ پیسہ کا دینا سہل ہے۔ بات بنانا سہل ہے۔ اُلٹا سیدھا سمجھنا سہل ہے۔ لیکن کسی کام کے لئے توجہ دینا وقت دینا مشکل ہے ہم اُس آدمی کا یقین کرنے کو تیار ہیں۔ جو اپنی روزانہ زندگی کا کچھ وقت اپنے اصول کے لئے ہر روز صرف کرتا ہے۔ اِس میں سچائی کسی نہ کسی حد تک ضرور ہوگی؛

(۱۹) ہمارے گھر

پرند اپنے گھونسلوں میں کیسے خوشی کے ساتھ رہتے ہیں۔ درندے جب اپنے ماندوں میں آتے ہیں۔ کچھ کے کچھ بنجایا کرتے ہیں یہی حال انسان کا بھی ہے۔ گھر اُس کے لئے دنیا میں فرضی بہشت کا خوش نما نمونہ ہے۔ اور اگر اس میں ہر چہار طرف پریم کے نظارے نظر آتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے سادہ مزاج فرشتے اپنے اصلی جذبات کے ساتھ کھیلتے کودتے ہوئے اردگرد خوشی و مُسرت کے تماشے دکھا رہے ہیں۔ تو پھر ہم کو اس گھر کے بہشت کہنے میں کیوں عار ہونا چاہئیے۔ لوگ کہتے ہیں گھر ہی اصلی تہذیب و تمدن کا نمونہ ہوتا ہے۔ اور یہ سچ ہے۔ لیکن یہ سچائی یہاں ہی تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ ہم گھر ہی کو تمیز و اخلاق شائستگی و تہذیب کی تعلیم کا دبستان بھی سمجھتے ہیں۔ یہاں ہی چال چلن بنتے ہیں۔ یہاں ہی ماں باپ بہ آسانی

سمجھ سکتے ہیں۔ اِن کے لڑکوں میں کس قسم کے اوصاف موجود ہیں
اور کس طرح کام کرنے سے اُن کی تکمیل ہو سکتی ہے۔

(۲۰) گھر کی برکتیں

جب تک ہم گھر میں ہیں۔ دنیا کی آفات و ترددات سے آزاد
ہیں۔ صبح کے دس بجے گھر سے نکل کر دفتر گئے۔ خواہ دوکان کے
کام کاج میں مصروف ہوئے۔ کیا یہاں بھی ہم ویسے ہی رہتے ہیں
جیسے گھر میں تھے۔؟ یہاں آکر ہماری زندگی اور طرح کی بنجاتی ہے۔
جس طرح راجپوتانہ کے جنگلوں کا بھیل صبح گھر سے نکل کر شکار کی
تلاش میں خطرات کا مقابلہ کرتا ہے۔ آوارہ گرد بنکر دھوپ کی
سختی۔ اور تکان کی تکلیف برداشت کرتا ہے۔ اُسی طرح ہم کو
بھی زندگی کے جوا بدھیوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ بھیل کے ساتھ
ممکن ہے۔ ہمارے کام کاج کی مشابہت نہ ہو۔ مگر یہ ضرور ہے
ہم کو بھی اُسی طرح زندگی کے کاروبار بلکہ زندگی کے کارزار میں
مستعدی اور سرگرمی دکھانی پڑتی ہے۔ شام ہوئی فرصت پاکر ہم
گھر میں آئے۔ عورت خیر مقدم کرنے کے لئے تیار ہے۔ ننھے ننھے بچے
دامن سے لٹک رہے ہیں۔ اور اپنے اپنے روزنامچہ سنانے کے لئے
شوق سے توتلی بولی میں اناپ شناپ بک رہے ہیں۔ دوکان اور
دفتر کا سین اِس سے کتنا مختلف ہے۔ وہاں سختی ہے یہاں ملائمت

ہے۔ وہاں روپیہ پیسہ کا خیال ہر وقت فکر میں رکھتا تھا۔ یہاں بیوی
اور بچوں کی پاک محبت نے آب و ہوا کو اور رنگ دے رکھی ہے۔
یہ پاک اور فرصت کے گھنٹے غنیمت ہیں۔ ان سے زخموں کو مرہم۔
رنج کو تشفی اور انتشار کو تسکین ملتی ہے۔ اور ان کی مدد سے ہم
عُلوئی زندگی کا خیال اپنے دل میں پیدا کر سکتے ہیں جسکا مقصد شانتی
ہے۔

(۲۱) قوم اور قوم کے افراد کی نسبت

ہر ملک کے قومی اخلاق کی بنا اُس کے گھروں میں ڈالی جاتی
ہے۔ ایک مفرد شخص کا خاندان اپنی قوم کا نمونہ کہا جا سکتا ہے۔
خاندانی اخلاق ہی سے قومی اخلاق مُراد ہوتی ہے۔ کیونکہ جیسے افراد
ہونگے۔ ویسے ہی وہ قوم بنیگی۔ اگر گھر میں غلامی ہے۔ تو کبھی مت اُمید
کرو۔ کہ اس قوم میں آزادی ہوگی۔ اگر گھروں میں لوگ ترتیب اور
قاعدہ کے ساتھ رہتے ہیں۔ تو اس قوم میں بھی خوش ترتیبی اور باقاعدگی
ہوگی۔ گھر میں اگر بچے آرگنزیشن کے اصول کی تعظیم کرتے ہیں۔ تو
قوم کے اندر بہ حیثیت مجموعی آرگنزیشن کی ماتحتی کی تعظیم کی جائیگی
اگر گھروں میں یہ سب باتیں مفقود ہیں۔ تو قوم میں اُمید نہ کرو
گھروں میں اگر جور و ستم ہے۔ بے رحمی ہے۔ بد سلوکی ہے۔ تو اس
قوم کے انتظامات میں بھی یہی حالت نظر آویگی۔ اور گھر میں انصاف

ہے۔ تو باہر بھی انصاف ہے۔ جن کے گھر درست نہیں۔ وہ ناحق پالیٹکس کی ڈینگ مارتے ہیں۔ افراد کی ترقی قومی ترقی بنتی ہے

(۲۲) ہندؤونکے گھر اور اُن کیلئے سبق

ہندؤں کے گھروں میں جو خوبیاں ہیں۔ وہ اُن کی قومی زندگی میں بھی جھلکتی رہتی ہیں۔ اِسی طرح اُن کے گھروں کی کمزوریاں قومی نقطہ نگاہ سے قومی کمزوریاں بنی ہوئی ہیں۔ جو شخص اِن کمزوریوں کے دور کرنے کا انتظام کرتا ہے۔ وہ قوم کا سچا مُصلح دوست ہے۔ بہتر ہے۔ ہر شخص اپنے گھر سے اصلاح کی ابتدا کر دے۔ پہلے اپنے بچوں کے ساتھ محبت اور خوش اخلاقی کا برتاؤ کرے۔ قوم میں خود بخود محبت پیدا ہوگی۔ بھائیوں پر اعتبار کرنے لگ جاؤ۔ ساری قوم میں ایک دوسرے کا اعتبار ہونے لگیگا۔ عورتوں کے ساتھ اِنصاف مدِ نظر رہے۔ ہر جگہ انصاف ہونے لگیگا۔ گھروں میں آزادانہ خیالات کو داخل ہونے کا موقع دو۔ قوم میں آزادی خیالی آجائے گی۔ اگر گھروں میں اصلاح نہیں کرتے۔ تو پلیٹ فارم کی تقریریں کوئی نتیجہ نہیں پیدا کر سکتیں ؎

---

(۲۳) بے غرضانہ محبت

بے غرضانہ محبت ہی کو نشکام بھگتی کہتے ہیں۔ اِس قسم کی محبت زمینی نہیں بلکہ آسمانی کہلاتی ہے۔ اس کا اثر نہایت پاک ہوتا ہے۔ اور چاہے ہم جانیں یا نہ جانیں۔ وہ اپنے اثر میں محیط بنجاتا ہے۔ جس کو پرا اوپکار کہتے ہیں۔ وہ در اصل نشکام بھگتی ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر پرماتما کی بھگتی نہیں ہے۔ تو پرا اوپکار کا نام زبان سے نکالنا پاپ ہوگا کیونکہ جب تک بھگتی نہیں آتی۔ اِنسان بے غرض نہیں ہوتا۔ اور تب تک وہ پرا اوپکار کی اصلیت کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ نشکام بھگت اِس لفظ کو زبان سے نکالے بغیر دنیا کو فیض پہونچا رہا ہے۔ جو اس کے رسُوخ کے دائرہ میں آجاتے ہیں۔ متاثر ہو کر پاک اور پوتر بن جاتے ہیں۔ جن میں الک کی بھگتی نہیں۔ اِن کا کرم دھرم سب نسپھل ہے۔ اس سے اصلی فایدہ نہیں پہونچتا۔

گور بن مالا پھیرتے۔ گور بن دیتے دان
گور بن دان حرام ہے۔ جائے پوچھو وید پُران

(۲۴) بھلا کر بھلا ہوگا

بے غرضانہ محبت اپنے ساتھ زندگی لاتی ہے۔ وہ ہر وقت بخوفی

کا دان دیا کرتی ہے۔ خوف میں رنج تردد اور موت رہتی ہے۔ محبت
میں خوشی بے فکری اور زندگی رہتی ہے۔ خوف مرض اور بیماری ہے
محبت علاج اور شفا ہے۔ جو محبت کرتے ہیں۔ آواز بازگشت کی طرح
محبت کا ہی صلہ ان کو عطا کیا جاتا ہے۔ محبت کی آنکھیں بُرائی کو نہیں
دیکھتیں۔ اس کی نظر صرف بھلائی پر پڑتی ہے۔ اور اخلاق و تہذیب
لفظ کی مکمل تربیت میں وہ سب سے زیادہ حصہ لیتی ہے۔ جس میں
محبت و پریم نہیں ہے۔ کبھی اس کی پاکی کا ذکر نہ کرو۔ کیونکہ اس
میں پاکی رہ ہی نہیں سکتی ؛

ایک دانہ محبت است و باقی ہمہ خس

(۲۵) بودھوں کا دھیان

تم کو شاید یہ نہیں معلوم ہوگا۔ کہ مہاتما بُدھ دیو کے پیرو کس طرح
شغل کرتے ہیں۔ صبح نہا دھو کر جب وہ پوجا پاٹھ کے لئے بیٹھتے ہیں۔ وہ
بُدھ کا بہ حیثیت گورو بہ حیثیت زندہ جاوید نیکی اور بہ حیثیت دایمی
زندگی کے دھیان کرتے ہیں۔ پھر اپنے خیال میں دسوں دشاؤں
میں اپنی محبت کے خیال کو پہنچتے ہیں۔ ہمارے دشمن سُکھی ہیں۔
ہم ان کو پیار کریں۔ ہمارے دوست سُکھی ہوں۔ ہم ان کو پیار
کریں۔ ہم جن کو جانتے ہیں۔ جن کو نہیں جانتے۔ جنکو جانینگے۔ جن کو نہ
جانینگے۔ سب سُکھی ہوں۔ اور ہم اِن کو پیار کریں۔ پورب پچھم۔ اُتر دکن

نیچے اُوپر۔ ہر سمت ہمارے پیار و محبت کی لہریں محیط ہو جائیں۔
سب سُکھی ہوں۔ اور ہم سب کو پیار کریں۔
اِن کے اِس قسم کے خیالات ہوتے ہیں۔ اور وہ دایمہ کیسا
پاک اور پوتر ہوگا۔ جس کو اِن سچے بھگتوں کے خیالات نے متاثر کر
رکھا ہے ؛

(۲۶) محبت ہر مرض کا علاج ہے

کہنے والے کہہ گئے ہیں۔

از محبت مردہ زندہ می شود۔ وز محبت شاہ بندہ می شود
از محبت تلخہا شیریں شود۔ وز محبت مس ہا زریں شود
از محبت خار ہا گل می شود۔ وز محبت سرکہ ہا مل شود
آہ تنتے از عشق در جان بر فروز۔ سر بسر فکر عبادت را بسوز
مذہب عاشق ز ہد ہا جدا است۔ عاشقاں را ملت و مذہب خدا است

مگر کیا کسی کو اِن زرّیں کلاموں پر یقین بھی آتا ہے۔؟ جس طرح
تم کسی سرد چیز کو اپنے دم (پھونک) سے گرم کر سکتے ہو۔ اُسی طرح محض
محبت کے خیالات پہنچ سے نزدیک و دور ہر جگہ برکت پھیلا سکتے ہو خیالات
فضول نہیں ہیں۔ اِن کے ساتھ ساتھ موت و زندگی رہتی ہے۔
یہ اصلی چیز ہیں۔ تم اگر کسی مریض کو اپنی محبت کے خیال دو گے۔ وہ
تندرست بنجائیگا۔ کیا تم نہیں دیکھتے۔ محبت کے آتے ہی چھاتی چوڑی
ہو جاتی ہے۔ رخساروں پر گلابی ڈورے دوڑ جاتے ہیں۔ آنکھوں کو

نور دل کو سرور ملتا ہے۔ اس سے ضعف معدہ خود بخود دور ہوتا ہے۔ غذا جسم میں لگتی ہے۔ اور حواس تیز ہوتے ہیں۔ رگ و ریشوں کو طاقت ملتی ہے۔ اور بجلی کی قوت سنسناتی ہوئی۔ ہاتھ پاؤں دل و دماغ۔ آنکھ کان سب کو متاثر کر دیتی ہے۔ محرور میں اعتدال کی گرمی آتی ہے۔ بے چینی کافور ہو جاتی ہے۔ جہاں بدنظمی تھی خوش اسلوبی ہو جاتی ہے۔ شانتی۔ صبر و قرار سب کچھ مل رہتا ہے۔

(۲۷) خود غرضی

وقت آویگا جب خود غرضی بھی عجیب دلکش صورت اختیار کرلیگی کیونکہ اُس وقت انسان کی امن درجہ تک تکمیل ہو جائیگی۔ کہ وہ فیاضی۔ مہربانی اور انصاف کے سلوک کے لئے خود غرض بنجادیگا یعنی ہر شخص اس بات کا اُمیدوار ہو جائیگا۔ کہ مجھ کو انصاف کرنے مہربانی سے پیش آنے اور فیاضی سے کام لینے کا موقع ملے۔ اس وقت خود غرضی مبارک وصف بنجائیگی۔ آج خود غرضی کی شکایت اس وجہ سے کی جاتی ہے۔ کہ وہ سفلی طبقہ میں رہتی ہے۔ لوگ چاہتے ہیں ہم خوش ہوں۔ ہم کو دولت ملے۔ دوسرے چاہے برباد ہوں اس کا مضایقہ نہیں۔ مگر جب یہ خود غرضی علوی طبقہ میں منتقل ہو جائیگی۔ لوگ دوسروں کے خوش کرنے میں اپنی خوشی تلاش کرینگے۔ اور انسان اتنا شریف اور نیک ہو جائیگا۔ کہ وہ

نیکی کرنے میں خود غرضی سمجھیگا۔ یہ اعلےٰ درجہ و اعلےٰ قسم کی خود غرضی ہوگی۔"

رابرٹ انجیر وسل

(۲۸) ایشور کی ہستی کا اقرار

نادان کہتے ہیں "ایشور نہیں ہے" لیکن جو گلا پھاڑ پھاڑ کر ایشور کا اعلان کرتے ہوئے دنیا میں ہر چہار طرف بربادی مچاتے ہیں۔ کسی کا دکھایا کسی کو بُرا بھلا کہا۔ وہ اِن سے بھی نادان ہیں۔ اور اگر ہمارے پڑھنے والے بُرا نہ مانیں۔ تو یہ ایسے بُرے ناستک ہیں۔ جن کے مُنہ کے دیکھنے سے شیطان کو بھی نفرت ہوتی ہے۔ جس کو جس کا علم ہوتا ہے۔ جس کو جس کے قربت کا فخر حاصل ہوتا ہے۔ اس میں اس کے خُو بُو خود بخود نظر آتے ہیں۔ زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں۔ اِن کے قول و فعل۔ کردار و گفتار۔ طور و اطوار سب میں یکرنگی رہیگی۔ جس طرح وہ محیط کامل دُنیا کے تمام قوموں کا متحرک بنکر سب کو ایک قاعدہ میں چلا رہا ہے۔ اسی طرح اس کے اُپاسک بھی من اور اندریوں پر قابو پاکر اُن کے رُخ کو اعلےٰ مقصد کی طرف پھیر دینگے اور جہاں ہونگے وہاں ہی اِنکی ذات سے ایشور کی ہستی کا خود بخود اقرار ہوتا رہیگا۔ ایشور پریم ہے۔ جس میں پریم بھاؤ ہے وہ ناستک بنا ہوا بھی پرم آستک ہے۔ کیونکہ چاہے لفظوں کے گھورکھ دھندا

ہیں اگر وہ کچھ ہی کیوں نہ کہے۔ مگر اصل میں وہ ایشور سے زیادہ
قریب ہے۔ اور کسی دن جب اس کو روحانی تکمیل کا موقع ملیگا۔
وہ اپنی پریم کی نگاہ سے اس پریمی کے درشن کریگا۔ ایشور کے
پوجنے والو! تم اس طرح کے اپاسک بنو۔ زبان سے کچھ نہ کہو۔ تمہارے
کام بھگتوں کے سے ہوں۔ اور تم اس پربھو کی پرسنتا کی کمائی کرو گے ؎

(۲۹) لوگ کیوں ناستک بنتے ہیں

نادان کیوں ایسا کہتے ہیں۔ کہ "ایشور نہیں ہے" اس کے تین
سبب ہیں۔ (۱) انہوں نے ایشور کے اصلی معنے نہیں سمجھے (۲) اُن
کی خواہشیں پوری نہیں ہوتیں۔ (۳) ان کو گمراہ آدمیوں کی صحبت
نصیب ہوئی جو نادانوں کی نادانی کو اپنے کسب معاش کے ذریعہ بنا
رکھا ہے۔ یا اندریوں کے بھوگ ولاس میں پھنس کر اپنے عیبوں
کو لفظوں کے گورکھ سے چھپانے کا اہتمام کیا ہے۔ بھولے بھالے سادہ
لوح آدمیوں کے لئے ایسے لوگ شیطان سے کم نہیں ہیں ؎

۱۔ ایشور کو آدمی اپنے خیال کے موافق سمجھا ہے۔ اور اگر ان کے
دُعا اور پرارتھنا کے لفظوں پر غور کرو۔ تو صاف معلوم ہو جاتا ہے
کہ ان سب نے ایشور کو صرف ایک مہان پرش سمجھ رکھا ہے۔ حالانکہ
وہ صرف ایک ایسی طاقت ہے۔ جس نے محیط بنکر باقاعدہ نظام
کائنات کا انتظام کر رکھا ہے۔ ہمارے بھی الفاظ مکمل نہیں ہیں۔

نہ اُن سے ایشور کی مکمل تعریف ہوتی ہے۔ تاہم اس سے کچھ نہ
کچھ وسیع تر خیال ضرور پیدا ہوگا۔

۲۔ دُنیا کی کامیابی و ناکامیابی ان آدمیوں کے دماغ کو پھیر
دیتی ہے۔ ان کا لڑکا مر رہا ہے۔ دعائیں کی جاتی ہیں۔ لڑکا پھر
بھی نہیں بچتا۔ یہ سمجھتے ہیں۔ ایشور یا تو ظالم ہے یا بالکل نہیں
ہے۔ صرف ایک فرضی وجود ہے۔ اور وہ اس سے کنارہ کش
ہو کر۔ اپنے آپ کو نادانستہ چاہ ضلالت میں گرا دیتے ہیں۔ اور
ایسے دوست تلاش کرتے ہیں۔ جو ان کے اس خیال کو تقویت
دیں۔ مگر وقت آتا ہے۔ جب ان کو اپنی غلطی کی خبر پڑتی ہے۔
اس وقت تلافی کا زمانہ نہیں رہتا۔

عمر ضایع۔ راہ دور۔ و روز دیر

۳۔ ناستکوں کی صحبت کا بھی ایسا ہی اثر ہوتا ہے۔ انسان
اُسی سے بالکل مادہ پرست بن جاتا ہے۔ دُنیا میں جتنے بڑے بڑے
حکما ہوئے۔ اُن میں سے بہ مشکل کسی نے ایشور کی ذات سے
انکار کیا ہوگا یورپ کے مشہور فیلسوف ہکسلے اسٹوارٹ مل
ٹنڈل وغیرہ صرف اگناسٹک بنکر اپنی ہیچدانی کا ثبوت دیتے رہے
ان سب نے صاف لفظوں میں کہا ہے۔ کہ مادہ کی دیوار کے
پرے ہماری عقل نہیں جاتی۔ اور کیا ہم میں سے جو آستک ہیں
یہ نہیں کہتے کہ اس کا سمجھنا آسان کام نہیں ہے۔ کسی ناستک
کی تعلیم کی جانچ کے لئے صرف اس کی زندگی کے واقعات ہی کافی

ہیں۔ ممکن نہیں کہ بالکل ناستک افراط و تفریط میں نہ جائے۔ اس میں بد اخلاقی کا مرض ہوگا۔ خود غرض ہوگا۔ بھوگ ولاس کی وجہ سے اندریاں پربل ہونگی اور وہ دایم المریض بنا رہیگا۔ نہ روحانی تندرستی نہ جسمانی تندرستی اس کے حصہ میں آویگی۔ کمزور ہونے کی وجہ سے اس میں چڑچڑاپن کی عادت ہوگی۔ اور وہ بسا اوقات غیظ و غضب میں دیکھا جائیگا۔ پرم آستک کی ان سے نسبت ہی کیا ہے؟ وہ موت میں بھی خوش رہتے ہیں۔ کیونکہ دل و دماغ کی تربیت نفس تہذیب کی درستگی۔ روزانہ تصور کی برکت۔ پریم بھگتی کی مشاقی کے فیض سے اُن کا ہر قدم آگے کو بڑھتا جائیگا۔ اور اُس لافانی زندگی کا خیال رکھتے۔ علم الیقین۔ حق الیقین۔ اور عین الیقین کے درجوں کو طے کرتے ہوئے اصلیت سے ہمکنار ہونگے اور بلا اظہار شکایت موت کا خیر مقدم کرینگے۔

جا مرنے سے جگ ڈرے موہے بڑا آنند
کب مرہوں۔ کب پاہوں پورن پرم آنند

(۳۰) اپنے اندر دیکھو

ایشور کا درشن باہر نہیں۔ اندر ہوتا ہے۔ ایشور سارے برہمانڈ میں ویاپک ہے۔ سب سے پہلے من کی تربیت کرو۔ من درمیانی حالت ہے۔ اس کے نیچے اندریاں ہیں۔ اس کے اوپر

بدھی ہے۔ اندریاں اس واسطے پربل ہیں کہ من میں طاقت نہیں۔ من کو کہو۔ تہذیب کے مدرسہ میں داخل ہو کر طفل مکتب بنے۔ علم معرفت کے سمجھنے والوں کی صحبت کرے۔ روحانی سادہن میں لگے۔ اس میں اندر سمٹنے کی طاقت آوے۔ تاکہ جو قوت اندریوں کی ناش ہو رہی ہے۔ وہ ایک مرکز پر قایم ہو۔ اس سے قوت ارادی کی تکمیل ہوگی۔ اور جب مشعل کا رُخ نیچے سے اُوپر کی طرف کر دیا جائیگا۔ بلند طبقات پر روشنی ظاہر ہوگی۔ اور تم دیکھ سکوگے کہ اصلیت کیا ہے۔ اور بدھی تم کو سچائی سے ہمکنار ہونے میں مدد دیگی۔ بغیر اس کے روحانی طبقہ پر پرواز کی طاقت نہیں آسکتی۔ یہ محض فرضی باتیں نہیں ہیں۔ آؤ اور دیکھو۔ عمل کرو۔ اور اپنے لئے خود تجربہ کرو۔ کسی کا کہنا نہ سُنو۔ خود اپنے انبھو کو بڑھاؤ۔ اگر ایشور کوئی وجود ہے۔ تو اس کو ساکشاتکار کرنا چاہیئے۔ جب تک اِس کا ساکشاتکار نہ ہو۔ ہم کو تم کو یا کسی کو اُس کی نسبت زبان کھولنے کا استحقاق کب ہے۔ اس لیئے سب سے پہلے من کی تربیت کا اہتمام کرو۔ اور اپنے اندر اس کے جلوہ کو دیکھو۔

من متھرا۔ دل دوارکا۔ کایا کاشی جان
دس دوارے کا دیہرا۔ تا میں جوت پچھان
پو بپہ توہیہ جیوں باس ہے یباپ رہا جگ ماںہہ
سنتوں ماہیں پایئے اور کہیں کچھ ناںہہ

(۳۱) عالم کبیر و عالم صغیر

انسانی روح میں کائنات کے تمام مدارج موجود ہیں۔ جن کو ہم نے نہیں دیکھا۔ انسان عالم صغیر ہے۔ لوگ اس خیال کو شاعرانہ بندش سمجھتے ہیں۔ مگر بہت سائنٹیفک ہے۔ یہ بھی صحیح ہے۔ کہ جو کچھ اس کے اندر ہے۔ اُسی کا نقشہ وہ باہر دیکھ رہا ہے۔ اگر کوئی شخص قانون کی متابعت میں اپنے اندرونی کائنات کو باقاعدہ بنا سکے۔ تاکہ باہر بڑے کائنات سے وہ خوش گوار تعلق پیدا کرے۔ تو اس میں ذرا بھی شک نہیں۔ کہ وہ انوہیت کے خیال سے نجات حاصل کر لیگا:۔

(۳۲) چار آشرم

برہمچریہ۔ گرہست۔ وانپرست اور سنیست یہ چار آشرم ہیں۔ اور زندگی کے حصے بھی چار ہی ہیں۔ لڑکپن۔ جوانی۔ ادھیڑپن اور بڑھاپا۔ اور توجہ کے ساتھ اِن کے فرائض پر غور کیا جائے تو اچھی طرح سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ کہ قدیم زمانہ میں انسانی زندگی کو باقاعدہ بنانے کے لئے قدما نے بڑی لیاقت کے ساتھ اُن کے فرائض مخصوص و منضبط کئے تھے۔ لڑکپن برہمچریہ کے لئے۔ جوانی گرہستی کے لئے۔ وانپرست ادھیڑپن کے لئے اور بڑھاپا

سنیست کے لئے مخصوص تھے۔ مختصر لفظوں میں اس کے معنی یہ ہیں۔ لڑکپن میں کام کرنا سیکھے۔ جوانی میں کام کرے۔ ادھیڑپن میں سوچنے وچار کرنے کی طاقت کو نشوونما دے اور آخر عمر میں دُنیا کو اپنے تجربات و مشاہدات سے فایدہ پہونچاوے اس قسم کے باقاعدہ زندگی کیسی خوبصورت ہو گی۔ اور کس آسانی کے ساتھ اصلی مقصد کی تکمیل کر سکیگی۔

(۳۳) نیک خواہشیں

یوگ وشسٹ میں لکھا ہے رام چندر نے سوال کیا تھا۔ کہ نیک خواہشیں بھی آخر خواہش ہیں۔ اور وہ بھی خطرہ سے خالی نہیں ہیں۔ اور رشی نے اُن کو جن لفظوں میں جواب دیا تھا۔ وہ در اصل نہایت نصیحت آموز اور اصلیت کی طرف لے جانیوالے ہیں۔ وہ کہتا ہے "اے رام! جو تم کہتے ہو سچ ہے۔ لیکن جو خواہش اصل میں نیک ہے۔ وہ بُری نہیں ہو سکتی۔ اور وہ بتدریج اُس اُونچے درجہ کو پہونچا دیتی ہے جہاں نیک اور بد کی تمیز نہیں" اور یہ سچ ہے۔ جس شخص کو یہ خیال ہے۔ کہ دُنیا کا بھلا ہو اور اس خیال میں اس کے کسی قسم کی خود غرضی کا شمول نہیں ہے۔ نہ وہ شہرت کا طالب ہے۔ نہ اپنے ذات کے فلاح کی فکر ہے تو پھر کیوں اس میں بُرائی آنے لگی۔ میں سمجھتا ہوں۔ اگر آدمی

ایسی خواہش رکھے جو نیک ہوں۔ تو وہ صرف اپنے خواہش سے
اپنے کو و دوسروں کو بہت نفع پہونچا سکتا ہے۔ اگر روزانہ اچھی
خواہشوں کا خیال ہوتا رہے۔ تو خود ان میں ایک قسم کی
زبردست طاقت پیدا ہوگی۔ جو برائی کا زور سے مقابلہ کریگی۔
اور انسان خود اپنے میلان طبعی سے کس قدر نیک اور بھلا بن
جاویگا۔ نیک خواہشوں کا نام پرارتھنا۔ مناجات اور دُعا ہے۔

(۴۳) خیالات

تمہارا فلسفہ چاہے کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ تمہارے مذہبی عقاید
چاہے کچھ ہوں۔ لیکن اس قدر تم کو خیال رکھنا چاہیئے۔ کہ تمہاری
روح سچائی کے قبول کرنے کے لیئے ہمیشہ آزاد رہے۔ روح کو
ناحق کیوں غلام بناتے ہو! دُنیا میں کیا دیکھنے میں آتا ہے۔ لوگ
اس بات کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ کہ اپنے قدیم موروثی اور بہت
دنوں کے باطل عقیدوں کی گدڑی کو محفوظ رکھیں۔ لیکن سچائی
کے قیمتی لباس کے پہننے سے گریز کریں۔ آخر۔ تم بزدل کیوں بنتے
ہو۔؟ ہر ایک قسم کے خیال کے سے دو بدو ملو۔ اُس پر غور کرو
سوچو۔ بحث کرو۔ اور ایمانداری کے ساتھ اس کو اپنے روزانہ
عمل میں جذب کرلو۔ اور سچے بنو۔ اگر دل کو نیک رکھوگے۔ اور
اس کو فراخ اور وسیع ہونے کا موقع نہ دوگے۔ تو اس میں

کسی وقت بڑا ایندہ پیدا ہوگی۔ دنیا میں مذہبی جنگ و مجادلوں
کا یہی سبب ہے۔ سچائی کسی خاص قوم یا مذہب کی میراث نہیں
ہے۔ وہ ہر جگہ اور ہر چیز میں ہے۔ اور ہر وقت تم کو نصیب ہو
سکتی ہے۔ بشرطیکہ تمہارے دل میں قبولیت کا مادہ ہو۔ کٹرپنا
کو کسی حالت میں پسند نہ کرنا چاہیئے۔ تعصب موت ہے۔ وہ روح
کو کبھی آزاد نہ ہونے دیگی۔

دل کو صاف و پاک رکھو۔ تاکہ پرماتما خوش ہو کر تم کو سچائی
اور روشنی سے بہرہ ور کرے۔

پیر عقلت طفلگی خو کردہ است

کون شخص ہے۔ جو بچوں کی سادگی کو دیکھ کر متاثر نہ ہوتا
ہو۔ اس میں خوبصورتی ہے۔ وہ اصلی اور قدرتی ہے۔ مصنوعی یا
بناوٹی نہیں ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو نیک مرد و عورت
اُس سے کم خوبصورت نہیں ہوتے۔

کمسن بچے مثل سونے کے تختی کی ہیں۔ جو بطور خود بہت
قیمتی چیز ہے۔ لیکن بلوغیت کے زمانہ کی نیکیاں اُس سُنہلی تختی
کے نقش و نگار ہیں۔ جو ہیرے۔ موتی و دیگر جواہرات کی پچی کاری
کی طرح ہیں۔ محنت اور آرائش کی لیاقت نے اس کو پہلے کہیں
زیادہ خوشنما زیادہ قیمتی اور زیادہ مفید بنا دیا ہے۔ وہ پہلے کی
طرح سادہ نہیں ہے۔ مگر نیکی اور بھلائی کے قلم پھر جانے سے وہ
زیادہ خوبصورت ہوگئی ہے پر انکار کرنا قوم و ملک کے حفاظت

میں لڑنا۔ آزادی کے لئے جدوجہد کرنا۔ بنی نوع کے فلاح کی تدبیریں سوچنا۔ سچائی کا جھنڈا بلند کرنا۔ دقتوں کے مقابلہ میں کامیاب و فتح مند ہونا یہ سب اُس سادہ اور شفاف تختے پر نقش و نگار ہیں۔ واقعی یہ کیا ہی اچھی تصویر ہے۔ جس کو دیکھنے والی آنکھ عطا ہوئی ہے۔ وہ اس کو دیکھتا اور قدر کرتا ہے۔

(۳۵) کمزوریوں کا مقابلہ

ہمارے گوشت و پوست کے اندر نیکی اور بدی کے طاقتیں لڑتی بھڑتی رہتی ہیں۔ یہی دیو اُسر سنگرام ہے۔ لیکن اگر بُرائی کا استقلال سے مقابلہ کیا جائے۔ تو پھر اس کی کشش اور فریب دینے والی شکل۔ نفرت ناک معلوم ہونے لگے گی۔ یہ فتح کی ابتدائی منزل ہے۔ لیکن تمہارا کام یہاں ہی تک ختم نہیں ہو جاتا۔ جب گیند کسی دیوار سے ٹکر کھاتی ہے۔ تو پھر اُس ہاتھ کی طرف لوٹتی ہے۔ جس نے اُس کو پھینکا تھا۔ اگر آدمی غافل ہو کر محتاط نہیں رہتا۔ تو بدی کا اچھی طرح مقابلہ کرنے کے بعد پھر اُس کو اُس کے ہاتھ میں آ جانے کا سخت خوف رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس طرح کا مارا ہوا پھر جلد اُٹھ نہیں سکتا۔ سمجھ بوجھ کر بدی کا مقابلہ کرو۔ صرف میانہ روی اور اعتدال پسندی ہی یقینی اوزار ہیں۔ جو تم کو غالب رکھ سکینگے۔

(۳۶) بڈھاپا و موت

اگر آدمی کبھی گناہ نہ کرے۔ تو کبھی موت و بڈھاپا کا شکار نہ ہو۔ یہ بات شاعرانہ طریقہ میں نہیں لکھی جاتی۔ بلکہ اس میں اصلیت ہے۔ گناہ سے بچو۔ گیان کو حاصل کرو۔ اور موت و ضعیفی پر فتح ملیگی۔

(۳۷) بڈھاپا

جو بوڑھے مُغلی خیال والے ہیں۔ اور اگیانی ہیں۔ اُن کو یا تو لوگ نفرت کے نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یا زخم کرتے ہیں۔ یا اُن کی صحبت سے عار کرتے ہیں۔ لیکن جن کے خیالات اونچے ہیں۔ اور جن میں گیان ہے۔ بڑھاپے کے زمانہ میں اُن میں ایک خاص قسم کی شان آ جاتی ہے۔ جو ہر کس و ناکس کو اُن کے تعظیم کے لئے مجبور کرتی ہے۔

(۳۸) مفتی و قاضی

پورب کے مسلمانوں میں ایک بات عام طور پر کہی جاتی ہے۔ "جو شخص اُستاد کا حق ادا کرتا ہے۔ قاضی ہوتا ہے۔ جو ایسا نہیں کرتا۔ وہ مفتی ہوتا ہے"۔ (۳۱) مثلہ میں ایک فلسفہ کا راز

بھرا ہے۔ ہر شخص کو دُنیا میں ہر چیز کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے
یہ لازمی امر ہے اس سے کبھی بچاؤ نہیں۔ رشوت خور۔ حرام خور
مفت خورے سمجھتے ہیں۔ ہم نے مال مار لیا۔ مگر یہ نادان ہیں۔ اس
بات کی سمجھ نہیں رکھتے۔ کہ وہ اس بد عادت کی وجہ سے اوّل تو
مُفتی ہو رہے ہیں۔ یعنی روحانی طور پر وہ اتنے گر جاتے ہیں۔ کہ
بالکل بے حیثیت۔ بے قیمت اور بے عزت بن جاتے ہیں۔ دوسرے
نیچر اُن کو اپنا قرضدار بنا لیتی ہے۔ اور بُری طرح سے وہ قیمت
اُن سے وصول کی جاتی ہے۔ یہ کوئی کبھی نہ سمجھے" قرض ادا کرنا
پڑیگا" قدرت کی سخت گیری نہایت ہی سخت ہے۔ یہ وہ مہاجن
ہے۔ جو کوڑی کوڑی کے سود کا حساب لگا لیتی ہے۔ اور لوگوں
کو دینا پڑتا ہے۔ ہمارے پڑھنے والوں میں سے جنہوں نے
کسی کا مال مارا ہو۔ وہ تھوڑی دیر کے لئے ہمارے کہنے
سے دل میں ذرہ سوچیں تو سہی اس بد عمل سے اُن کی روحانیت
کو کیسا صدمہ پہونچتا ہے۔ روحانیت کی برکت صرف اُن کو
ملتی ہے۔ جو حق و حلال کی کمائی کرتے ہیں۔ بو علی شاہ قلندر
کہتا ہے۔

بہر طاعت لُقمۂ باید حلال
تا نیفزاید ترا رنج و ملال
گر شوی از لُقمۂ شبہہ نصیر
نفس را سازی بفضلِ حق اسیر

(۳۹) کوچ

کوچ کا وقت بھی کیسا دردناک ہے۔ ماں رو رہی ہے
بیوی بلک رہی ہے۔ بال بچے سر پیٹ رہے ہیں۔ اور جتنا ہی
کوچ کرنے والا اُن کے ساتھ محبت اور پیار سے پیش آتا تھا
اتنا ہی اِن کا دُکھ زیادہ ہو جاتا ہے۔ اور کیا کبھی آپ میں سے
کسی نے کوچ کرنے والے کی حالت پر بھی غور کیا ہے؟ پرماتما
تیرا ہی آسرا ہے! جس نے اپنی کم بینی اور کوتاہ اندیشی کی
وجہ سے ساری زندگی پاپ میں گذاری ہے۔ کوچ کرتے وقت
وہ اِن پاپوں کے آنے والے خوف ناک نتیجوں کو دیکھتا ہے۔
پاپی آدمی میں پریم نہیں تھا۔ پاپی نہ سچا باپ نہ سچا شوہر نہ
سچا فرزند بن سکتا ہے۔ اس نے جب اپنے ساتھ خود نیکی نہیں
کی۔ تو اوروں کے ساتھ کب بھلائی سے پیش آ سکتا تھا۔
کاش اگر اس میں کسی کا بھی پریم ہوتا۔ بیوی کا۔ ماں کا۔
باپ کا۔ بیٹے کا۔ گورو کا اور ایشور کا۔ تو اس کے پاپ دور
ہو گئے ہوتے۔ کوچ کرتے وقت وہ رو رو کر کہتا ہے۔" افسوس
نہ کیا ہم نے وہ کام جو آج ہمارے کام آتا!" آدمی کو چاہیئے
کہ اس کوچ کے وقت کا خیال رکھے۔ اور اپنے واپنے لواحقین
کے دل میں سچے پریم کا سنسکار پیدا کر جاوے۔ تاکہ وہ اصلیت

کو سمجھ کر پرماتما کے اوپر بھروسہ رکھیں۔

(۴۰) ہنسنا

ہنسنا کئی طرح کا ہوتا ہے۔ کوئی قہقہہ مار کر ہنستا ہے۔ کوئی مُسکراتا ہے۔ کوئی اعتدال کے ساتھ ہنستا ہے۔ کسی کے ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں۔ کسی کی آنکھوں میں آنسو بھر آتا ہے۔ سینکڑوں قسم کا ہنسنا ہوتا ہے۔ کوئی کہاں تک اس کی وضاحت کر سکے۔

جب سے ہم پنجاب میں آئے۔ دو ایک آدمیوں کے ہنسنے کی طریقہ نے ہم اس خاص بات کے مطالعہ کے جانب مجبور کیا اور اس مطالعہ نے ہم کو کیا سکھایا؟

جو مکار اور پالیسی باز ہیں۔ وہ اپنے ہنسنے کی آواز میں ہہ ہہ ہہ کرتے ہوئے اپنی کمزوری کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ اپنے دانست میں ہنستے ہیں۔ مگر مطالعہ کرنے والا اس ہنسی میں اُن کے دل کی اصلی حالت کا عکس دیکھتا ہے۔ آواز بناتی رہتی ہے۔ یہ مکار اور دھوکے باز کی ہنسی ہے جس سے اصلی خوشی کوسوں دور ہے۔

دِل کا کھلا ہوا آدمی زور سے ہنستا ہے۔ جس سے اُس کی صاف باطنی ظاہر ہوتی ہے۔

ایک شخص ہے۔ جو صرف مُسکراتا ہے۔ تہذیب اخلاق وشائستگی کی مُجسّم تصویر! اس کی مُسکراہٹ میں ایک خاص نرالی ادا ہے۔ جو طبیعت کو بھاتی ہے۔ مسکراہٹ کیا ہے۔ گویا گلاب کی پنکھڑیاں کھل رہی ہیں۔ یہ فرشتہ سیرت اور نیک مرد ہے۔ اور اس کے مسکراہٹ میں نیکی وبرکت کا شمول ہے۔

دوسرا شخص ہنستا کیا ہے۔ گویا روتا ہے۔ اس کی ہنسی میں اور رونے میں تمیز کرنا مشکل ہے۔

غرضیکہ اگر گہری نگاہ سے دیکھو تو تم کو ہر انسان کے ہنسنی میں اس کے چال چلن و دل کی حالت کا آئینہ نظر آئیگا۔

(۴۱) سمجھ کی کمی

رام کی ان کی زندگی میں وہ عزت نہیں تھی جو آج ہے نانک کو لوگ اتنا برگزیدہ پہلے کب کہتے تھے۔ جیسا اب کہتے ہیں۔ کبیر کے کلام کو ان کے وقت کے آدمی کب اس طرح وقعت کے کان سے سنتے تھے۔ بات یہ ہے۔ جس اچھے سے اچھے انسان کو لوگ روزانہ دیکھنے اور سننے کے عادی ہیں۔ اس کو وہ معمولی سمجھتے ہیں۔ ان کو اس کی خوبیاں سمجھ میں نہیں آتیں۔ نہ اس کے زندگی میں اس کی اتنی عزت کی جاتی ہے یہ سب لوگ مثل اس خوبصورت کتاب کے ہیں۔ جو کسی بچے

کے ہاتھ میں ہے۔ وہ روز اس کو الٹا پلٹا رہتا ہے۔ لیکن
جب تک سن وشعور کو نہیں پہونچتا۔ اس کے اندرونی خوبیوں
سے واقف نہیں ہوتا۔

ہم کو چاہیئے۔ اس غلطی میں کبھی نہ پڑیں۔ کیونکہ ممکن
ہے۔ ہمارے زندگی میں ایسے آدمی ملیں جو اخلاق و تہذیب
مجسم ہوں۔ مگر روزانہ میل جول سے ہم ان کی پرواہ نہ کرتے
ہوں؛

(۴۲) زندگی کا مقصد

زندگی کا مقصد کبھی یہ نہیں ہے۔ کہ آدمی۔ مصور۔ حاکم یا
منصف بنے۔ بلکہ یہ ہے۔ کہ سچائی کے قبول کرنے کی قابلیت کی
تکسیب کرتا رہے۔ تاکہ سچائی کا نور شخصی زندگیوں میں شان
کے ساتھ چمک اُٹھے۔ اور وہ دُنیا میں سُکھ و راستبازی
کی سلطنت قایم کرنے میں مددگار ہو۔ اس کی تکمیل کے
مختلف ذریعے ہیں۔ کوئی مصور بنا ہوا اُسی قسم کے شغل میں
اپنی اندرونی حواس کو نشوونما دے رہا ہے۔ کوئی شخص
بہ حیثیت شاعروانشا پرداز اُسی کام میں لگا ہے۔ کھانا کھانے
کا مقصد میٹھے چاول کھانا۔ لذیز خو ش کی لذت لینا۔ یا
روکھا سوکھا کھانا نہیں ہے۔ اس کا مقصد صرف اتنا ہے۔ کہ

جسم کی مرمت ہوتی رہے۔ اور یہ غذا خواہ کسی قسم کی ہو
اس کو مدد دیتی رہے۔ تاکہ جسم اصلی مقصد کے تکمیل میں سر
گرم رہ سکے۔ وہی حیثیت ہمارے مختلف پیشوں کی ہے۔ انسان
چاہیے۔ ڈاکٹر ہو خواہ وکیل ہو اس پیشہ کو اصلی ترقی کا آلہ
بنائے۔

جب ہم کو معلوم ہونے لگتا ہے۔ کہ ہم روحانیت میں
ترقی کر رہے ہیں۔ تو ہم کو خوشی معلوم ہوتی ہے۔ جب ہم
یہ سمجھ لیتے ہیں۔ کہ زندگی کا مقصد نشوونما ہے۔ تب کامیابی
و ناکامیابی دونوں ہی ہمارے علم و لیاقت کو ترقی بخشتی
رہتی ہے۔ اور ہم حالات و واقعات پر حادی ہو کر خوشی سے
ہمکنار رہتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں۔ کہ ہم جسم میں روح ہیں۔ اور
روح کے اندرونی طاقتوں کا راز ہم پر کھُلنے لگتا ہے۔

جب انسان کے اندرونی حواس کی تکمیل ہونے لگتی
ہے۔ وہ ہشاش بشاش بن جاتا ہے۔ اور اس کے دل کا
دامن ناکامیابی کے کانٹوں کے اُلجھن سے چاک نہیں ہوتا۔

* لیکن تم اِس خوشی کو بھی اپنی زندگی کا مقصد نہ سمجھو
مزید ترقی کے تکمیل میں برابر سرگرم ہو۔

اندریں رہ می تراش و می خراش
تادمے آخر دمے غافل میاش

یہ تکسیب وتکمیل تم کو کسی وقت اُس اعلےٰ قانون سے

ساتھ مطابقت کرنے کی قابلیت عطا کریگی۔ جو محیط کُل ہے۔ اور
تم موت پر غالب آجاوگے۔

(۴۳) دھرم اور فرض

دھرم اور فرض کو کبھی ناخوشگوار نہ سمجھو۔ منصبی فرض کے اِنفرام
میں پس وپیش نہ کرو۔ کیونکہ اس میں مذہبی تقدیس ہوتی ہے
اگر انسان اپنے فرض کو فرض کی طرح سمجھ کر کرے۔ تو وہ خیر
وبرکت کا باعث ہوگا۔ اور اُس کو شانتی نصیب ہوگی۔ جو شخص
باہر کام کرتا کرتا ہے۔ وہی اندر بھی کر سکتا ہے۔ جس کے باہر
زندگی ہے۔ اُسی کے اندر بھی زندگی ہوتی ہے۔ جو باہر خوبصورتی
کا شیدا۔ صفائی کا عاشق خوش ترتیبی و ضابطہ کا خواہشمند
ہے۔ سمجھ لو۔ اِن سب کی جڑ اُس کے اندر ہے۔
جس بہشت و ویکنٹھ کا فرضی نقشہ اہل مذہب کھینچنا
چاہتے ہیں۔ وہ در اصل ہمارے دل کی بشاشت کی وسیع
و نسبتاً زیادہ مکمل تصویر ہے۔ بہشت تمہارے ہی اندر ہے

(۴۴) خیال

صاحب خیال کی طاقت کا اندازہ کوئی شخص نہیں لگا سکتا

خیال میں جس قدر مضبوطی اور طاقت ہوگی۔ اتنا ہی اُسکا
نتیجہ قطعی اور یقینی ہوگا۔
وہ خیال ہی کی طاقت ہے۔ جو تارن۔ اُچاٹن۔ اور وشی کرن
میں شکتی مارگ والے استعمال کرتے ہیں۔
وہ خیال ہی کی طاقت ہے۔ جس کے پریم کے سیلاب سے
گوتم بُدھ نے دنیا کو بھر دیا تھا۔
غصہ ور اور غضبناک ماں سے کہو۔ غُصہ کے وقت اپنے
بچے کو دودھ نہ پلائے۔ کیونکہ اس کے خیال میں تیز زہر کی خاصیت
آگئی ہے۔ اور اس کا دودھ بچے کے لئے مُہلک ہوگا۔
اگر تم چاہتے ہو۔ کہ تمہارے خیال میں طاقت آوے۔ تو
پڑھو کم اور گنو زیادہ گُننے سے ہمارا مطلب سوچنے اور غور کرنے
سے ہے۔
آدمی اپنے خیالات کو دو طرح سے دوسرے کے دِل میں
مُنتقل کرتا ہے۔ ایک کو جسمانی اور دوسرے کو روحانی کہہ سکتے
ہو۔ پہلے کا تعلق صرف من سے ہے۔ دوسرے کا من اور دماغ
دونوں سے ہے۔
دماغ میں ایک جگہ ہے۔ جو گرہ کے شکل کی ہے۔ وہی تمام
رگ و ریشوں کا مرکز ہے۔ وہاں ہی وہ چیز جمع ہوتی ہے۔ جس
کو سنسکرت میں اُوجس کہتے ہیں۔ اور جو بیرج کا لطیف حصہ
ہے۔ یہ خیالات کے منتقل کرنے کی اندری ہے۔ جیسے آنکھ دیکھنے

ہنس جو راج کمار بغل میں لئے ہوئے ہیں۔ میرا ہے۔ مگر یہ مجھ کو نہیں دیتے۔ سب سمجھا کر تھک گئے۔ اس لئے ہم دونوں عدالت میں حاضر ہوئے ہیں۔ آپ کے ہاتھ ہمارا انصاف ہے

راجہ نے نابالغ لڑکوں کو توجہ کی نگاہ سے دیکھ کر پوچھا ”دیودت! کس قانون کی رو سے تم اس راج ہنس کے دعویدار ہو؟“ دیودت بولا ”زبردستی اور طاقت کے قانون سے اس پر میرا حق ہے۔ آپ سنئے۔ پرسوں صبح کا وقت تھا۔ جب آسمان پر راج ہنسوں کا جھنڈ منڈلاتا ہوا اُڑا چلا جا رہا تھا۔ راجکمار سدھارتھ اُن کو دیکھ کر خوش ہوا۔ اور اپنی عادات کے موافق اُن کے رنگ روپ آواز وغیرہ پر وچار کرنے لگا میں نے اپنی کمان ہاتھ میں لی اور میرے کبھی نہ خطا کرنے والے تیر نے اس کو زخمی کر کے زمین پر گرا دیا۔ چونکہ میں نے اس کو تیر کا نشانہ بنایا تھا۔ اس لئے یہ میرا ہے۔ راجکمار کا نہیں ہے۔“

راجہ نے دوسرے لڑکے کی طرف جو مزاج کا حلیم تھا نظر کی ”سدھارتھ! تم بتا دو۔ کس قانون کے رو سے یہ پرند تمہارا ہے؟“ اور آئندہ زمانہ کے روحانی معلّم نے خوش آیند لہجہ میں جواب دیا۔ ”مہاراج! میں رحم اور دیا کے قانون سے اِس کا دعویٰ کرتا ہوں۔ یہ سچ ہے۔ دیودت نے اِس کو مارا۔ مارنا در اصل ایک چیز کے ضایع کر دینے کا نام ہے۔

نہ وہ مارنے والے کی رہتی ہے۔ نہ اوروں کی۔ تڑپتا ہوا راج ہنس زمین پر آ رہا۔ اُس کے پر خون کے بہنے سے رنگین ہو رہے تھے۔ مجھ کو ترس معلوم ہوا۔ میں نے جھپٹ کر دیا ”بہاؤ سے اس کو گود میں لے لیا۔ زخموں پر مرہم پٹی لگائی۔ اس کو مرنے سے بچا لیا۔ اِس لئے یہ میرا ہے۔

راجہ شُدّھو دہاں مقدمہ سُن کر متعجب ہوا۔ وزیروں سے مخاطب ہو کر پوچھنے لگا۔ ”تم بتاؤ۔ اِن میں سے کون صحیح اور کون غلط ہے۔؟“ وزیر خاموش ہو گئے۔ اتفاق سے دربار میں ایک سادھو موجود تھا۔ اُس نے ہنس کر کہا ”اس مقدمہ کا فیصلہ راج ہنس کے شہادت پر چھوڑنا چاہیئے۔ جس کے بلانے سے وہ اس کے پاس آ جائے اُسی کا ہے۔“

راج ہنس کو آزاد کیا گیا۔ سب سے پہلے دیودت نے اُس کو بُلایا۔ مگر اس نے اپنا رخ پھیر لیا۔ مگر جس وقت سدھارتھ نے ہاتھ کا اِشارہ کیا۔ سمجھدار ہنس پروں کو پھڑپھڑاتا ہوا اس کے پاؤں کے پاس آ کر محبت کا اظہار کرنے لگا۔ اور راجکمار نے اس کو اپنے گود سے چمٹا لیا۔

اس قسم کا نظارہ دیکھنے والوں کے لئے خاص قسم کا لطف رکھتا ہے۔ حق چاہے کسی کا رہا ہو۔ مگر رحم اور دیا کے خیال نے دلوں کو متاثر کر دیا۔

راج ہنس سدھارتھ کا ہو گیا۔ اور اُس نے ہنس کو

اونچا کرکے کہا" اے ہمالیہ کے آزاد پرند! تو اپنے وطن کو واپس جا۔ تیرے دوست اور عزیز گھبراتے ہونگے۔ میں چاہتا تھا۔ کہ تو میرے پاس میرا ہوکر رہے۔ مگر تیرے بچوں کے خیال سے میں تجھ کو آزاد کرتا ہوں۔ اب میرا بھائی تجھ کو نہ ستاویگا"۔ اور جانور اپنے بال وپر کو پھیلا کر اوپر کے طرف اُڑا اور کمسن سنت کو احسان کی نگاہ سے دیکھتا ہوا۔ تھوڑی دیر بعد نظر سے اوجھل ہوگیا۔ درباری خاموش تصویر حیرت بنگئے۔ اور سدّھارتھ محبت اور پریم سے اپنے باہیں اپنے ماموں بھائی دیودت کے گلے میں ڈال کر ہنسی خوشی کے ساتھ محل میں آیا۔ اس وقت سدّھارتھ کی عمر پانچ چھ برس سے زیادہ کی نہیں تھی۔

یہی سدّھارتھ مابعد زمانہ میں گوتم بدھ کے نام سے مشہور ہوا سچ ہے۔

ہونہار بروان کے ہوت چیکنے پات"

(۴۷) خاموشی کا الہام

جب تو خاموش اور محویت کے حالت میں رہتا ہے اُس وقت تو وہ بنجاتا ہے۔ جو ایشور قدرتی کاروبار سے پہلے تھا۔ نہ اس وقت آگ تھی نہ پانی نہ ہوا نہ مٹی۔ نہ کوئی جاندار ہی

تھا۔ اس خاموشی کے وقت میں تو وہ سنتا ہے۔ دیکھتا ہے جس کو ایشور دیکھا اور سُنا کرتا تھا۔ کیونکہ اس وقت تیری خاص خواہش۔ تیری خاص بصارت اور تیری خاص سماعت کی ابتدا نہیں ہوتی تھی۔"

جیکب بوہمی

چیست توحیدِ خدا آموختن
خویشتن را پیش واحد سوختن

(۴۸) اپنے اندر دیکھنا

" چونکہ انسان اپنے اندر نہیں دیکھتا۔ اس لئے اس کو اپنے فرض کے انجام دینے میں روحانی خوشی نہیں ملتی۔ اس کو علم بھی نہیں ہوتا۔ کہ فرض کی خصوصیت اور اہمیت کیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ فرض کی جگہ بیجا جوش اور خواہش لے لیتی ہے"

"لوگ اپنے اور دوسرے کے روحانی استحقاق کے علم سے محروم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ وہ انانیت اور آتما کے علم سے روز بروز محروم ہوتے چلے جارہے ہیں۔ اور خودی خود پسندی اور خواہش کے دام میں مُبتلا ہو رہے ہیں"

"چونکہ انسان اپنے اندر نہیں دیکھتا وہ سمجھتا ہے۔ باہر کی دُنیا پتھر کی طرح کی سخت ہے۔ جس کو سائینس کا

انجن بنا رہا ہے۔ وہ خود اس کے ٹکڑے ہیں۔ اور ان میں
تھوڑی سی تمیز کی عارضی چمک آجایا کرتی ہے۔ جیسے پتھر کے
جڑے ہوئے ٹکڑوں میں سے روشنی نکلتی ہے"۔
چونکہ انسان اندر کی طرف نہیں دیکھتا۔ اس کو اس
اعلےٰ طاقت۔ اعلےٰ قانون اور اعلےٰ مرضی کا علم نہیں ہوتا۔
اور یہی نہیں۔ بلکہ اس کے ہستی میں بھی شک رہتا ہے۔
دیکھنے کی قوت اندر سے آتی ہے۔ باہر سے نہیں۔ اندر
ہی کے طاقت پر ہماری ترقی کے اُمیدوں کا انحصار ہے۔ اندر
کی طرف دھسنے سے نہ صرف ہماری انسانیت مکمل ہوگی۔
بلکہ ہم اس سے بھی آگے بڑھ چلینگے۔

(۴۹) اپنی غرض

جہاں کہیں اور جب کبھی اپنی غرض کا سوال آتا ہے۔ وہاں
ہی خرابی واقع ہوتی ہے۔ انسان کا اعلےٰ وصف یہ ہونا چاہیئے
کہ وہ حتی الامکان اپنے خاص اور ذاتی اغراض کو کسی نیک
کام کا سدراہ نہ بنائے۔ بہت سی طبعیتیں دُنیا میں ایسی ہوتی
ہیں۔ کہ وہ ہر کام کے سلسلہ میں شہرت۔ نمود اور ذاتی نفع
کا خیال رکھتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ اُن کے دل کی ناپاکی
سے اُس پاک کام میں بھی نقص واقع ہوتا ہے۔ اور باہمی

رنجش کا موقع آجاتا ہے۔ اگر انسان تمام کام پر ماتما
کے حوالہ کر رکھتا اور اس کی مرضی کے مطابق کام کرتا
تو شاید اس کو بہت زیادہ کامیابی کی اُمید ہو سکتی۔ اور
اگر وہ اپنے غرض کو ہر جگہ وہر موقع پر شامل کرتا رہیگا۔ تو
یقین رکھو۔ وہاں حسد فریب کے جذبات اُبھر کھڑے ہونگے
صاحب غرض کے بات کو بھی دل سے کبھی نہ سُننا چاہیئے۔
کیونکہ اُس کے سلسلہ میں دل میں طرح طرح کے کمزوریوں
کے پیدا ہونے کا خوف رہتا ہے۔

زصاحب غرض تا سخن نشنوی
کہ گر کار بندی پشیمان شوی

ترجمہ۔ خبردار! صاحب غرض کی کوئی بات مت سنو
کیونکہ اگر اس پر کار بند ہوگے تو پشیمانی نتیجہ ہوگا۔

(۵۰) مُردہ کو زندہ کرنا

سارا گوسٹین۔ کلیولینڈ۔ (امریکا) کی رہنے والی ایک
میم ہے۔ اس کی لڑکی مرگئی تھی۔ جس کو اس نے دو گھنٹے
کے لئے از سر نو زندہ کر دیا۔ کہتے ہیں۔ لڑکی ایک مہینہ سے
بخار کے بیماری میں مبتلا تھی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ وہ مرگئی۔
اور اس کا جسم ٹھنڈا پڑ گیا۔ غریب ماں بستر کے قریب

بیٹھی ہوئی رونے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس پر محویت
کی حالت طاری ہوگئی۔ اس نے بیہوشی میں اپنی لڑکی
کے مُردہ جسم کو گود میں اُٹھایا۔ اور ایسی مہمل باتیں کرنے
لگی۔ جس کو کسی نے بھی نہیں سمجھا۔ لڑکی کے سانس آجانے
لگی۔ اور دو گھنٹہ تک وہ برابر زندہ رہی۔ ماں برابر محویت
کی حالت میں رہی۔ اور تھوڑی دیر بعد اس کے عزیز و
اقارب کو معلوم ہوا۔ کہ گویا وہ اپنی لڑکی سے بات چیت
کررہی تھی۔

یہ بات دراصل اتنی عجیب نہیں ہے۔ جتنی معلوم
ہوتی ہے۔ زندگی کو اس طرح سمجھنا کہ یہ ایک خاص چیز
ہے۔ جو علیحدہ علیحدہ رہتی ہے۔ نادانی ہے۔ یہ ایک
اصول ہے۔ جو ہر ہے۔ تتو ہے۔ جو دنیا کے ہر گوشہ میں
بکھرا ہوا اور محیط ہے۔ ہر مخلوق کو اس کا حصہ ملا ہوا
ہے۔ اور وہ اوروں کے ساتھ اس سے بہرہ ور رہتا
ہے۔ جو شخص ایک دوسرے کے ساتھ ملے جلے رہتے ہیں
وہ باہمی تعلق کا نفع اُٹھاتے ہیں۔ اور ایک کی ذات دوسرے
کے لئے فایدہ بخش ہوتی ہے۔ اکثر ہم اپنے سفلی طبیعت
اور مُردہ دلی کے عادات سے اپنے ساتھیوں کو نیچے گرا
دیتے ہیں۔ دوسروں کو اپنے بشاشت۔ اپنی زندہ دلی
اور اپنی ہمت سے بلند خیال بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح جو

عمر اور بیماری سے کمزور ہوجاتے ہیں۔ محض اپنی دوستوں
کی ہمدردی اور قوت ارادی سے عرصہ تک زندہ رہ سکتے
ہیں۔ مندرجہ چندہ واقع کے نسبت یہی کہا جاسکتا ہے۔
اگر جسم بالکل ناکارہ بنگیا ہے۔ اور اس لطیف جوہر کے
رکھنے کے قابل نہیں ہے۔ تو یہ بات البتہ غیر ممکن ہوجاتی
ہے۔ ماں کی ہمدردی اپنی اولاد کے لئے اس قدر زبردست
ہوتی ہے۔ کہ اس میں ایک قسم کی خاص چھپی ہوئی طاقت
کا گمان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اکثر موتوں پر زندگی
کے واپس آنے کے واقعات سُنے گئے ہیں۔ بہت سے بیمار
محض دوستوں کی ہمدردی سے اچھے ہوجایا کرتے ہیں
لوگ اِن باتوں کو عجیب وغریب بتاتے ہیں۔ حالانکہ یہ
معمولی واقعات ہیں۔ سبب یہ ہے۔ کہ وہ اصلیت کے
جاننے کی پرواہ نہیں کرتے؛

(۵۱) چٹان کے وار پار جانیوالا تیر

جاپانیوں میں ایک قصہ مشہور ہے؛ پندرہ صدیاں
گذری ہونگی۔ قدیم جاپان میں ایک مشہور تمانداز رہتا
تھا۔ جس کا نام تواتا ٹوڈا تھا۔ تمام سلطنت میں اس
سے زیادہ تندرست تیر انداز کوئی بھی نہیں تھا۔ شکار

ہیں۔ دشمنوں کے مقابلہ ہیں۔ کمانداروں کے کرتب دکھانے کے موقعوں پر اس کو کبھی ناکامیابی نہیں ہوتی تھی۔ جب جاپان کی اپنے ایک ہمسایہ سلطنت کے ساتھ لڑائی ہوئی شاہنشاہ مکاڈو نے اس کو فوج کا سپہ سالار مقرر کیا۔ لوگوں کو اس بات کا پورا پورا یقین ہوگیا تھا۔ کہ توارا ٹوڈا کے ایک تیر سے بیس تیس آدمی ہلاک ہو جایا کرتے ہیں۔ اس کی شہرت دور دور پھیل گئی تھی۔ اور وہ اپنی طاقت پر غرور کرتا ہوا خوشی سے زندگی بسر کرتا تھا۔

ایک اس کے پاس بدحیثیت کسان آیا۔ اور سلام کرنے کے بعد کہا "قابل تعظیم توارا ٹوڈا! ہمارے صوبہ میں ایک خوفناک اور خونخوار اژدہا آیا ہوا ہے۔ جو کم سے کم بیس گز لمبا ہے۔ وہ آدمی اور مویشیوں کو کھا جاتا ہے۔ ہم سخت تکلیف میں ہیں۔ بہت کوشش کی گئی۔ لیکن ہم میں سے کوئی اس کو مار نہ سکا۔ تمہارے سوا دنیا میں کوئی نہیں ہے جو ہم کو اس موذی کے ہاتھ سے نجات دے۔ کیا تم اپنے قوموں کی فریاد سنو گے؟"

توارا ٹوڈا کے دل میں خوشی کی لہریں اٹھنے لگیں جس شخص سے اس کے ہموطن اِس طرح مدد کی درخواست کریں بھلا اس کی قسمت کا کیا ٹھکانہ ہے! مہربان مزاج اور اور دلیر توارا ٹوڈا نے کمان ہاتھ میں لے لی۔ اور کسان

کے ساتھ اژدہا کے تلاش میں روانہ ہوا۔

اُس کی آنکھ تیز تھی۔ اور چونکہ دل میں غریبوں کے مدد کا خیال موجزن تھا۔ اس نے دور سے جانور کو دیکھا وہ پہاڑ کے دامن میں رینگتا ہوا جا رہا تھا۔ اسی وقت کبھی نہ خطا کھانے والا تیر کمان سے چھٹا۔ اور ایک لمحہ کے بعد تمام پہاڑ جانور کے درد کی شور سے گونج اُٹھا۔ جانور مرا نہیں تھا صرف زخمی ہوگیا تھا۔ وہ وہاں سے چلاّتا ہوا بھاگ نکلا۔ اور چٹان کے دوسرے طرف جاکر پناہ لیا۔

توارا ٹوڈا بہت فاصلہ پر تھا۔ اس کو پتہ نہیں لگا کہ جانور کدھر گیا۔ تلاش کرتے ہوئے اس کے دل میں خیال گذرا سامنے کوئی سیاہ چیز نظر آرہی ہے۔ جو دو درختوں کے بیچ میں پڑی ہے۔ توارا ٹوڈا نے سوچا۔ اگر جانور نہیں مرا۔ تو اس کی نیکنامی ہمیشہ کے لئے جاتی رہیگی۔ اور وہ اپنے غریب بھائیوں کے مدد میں ناکام رہیگا۔ مگر اس کے دل میں سچائی تھی۔ وہ سچے دل سے کام کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے اسی وقت دوسرے تیر کو کمان سے جوڑ لیا۔ اور سیاہ رنگ والی چیز کو نشانہ بنایا۔ مگر اس کو حرکت نہیں ہوئی گھوڑوں کو ایڑ لگاکر حملہ آور جماعت آگے بڑھی۔ اور دیکھو۔ سانپ وہاں مرا ہوا پڑا تھا۔ تیر اس کے سر میں گڑ گیا تھا۔ تیر نے چٹان سے گذر کر بدکار اژدہا کو خاک میں ملادیا

جاپانی اس قصہ سے ایسے سچے اغذ اکرتے ہیں۔ "یہ بالکل ضروری نہیں ہے۔ کہ تم اپنے دقتوں کو خواہ مخواہ نگاہ کے سامنے رکھو۔ اگر تمہاری قوت ارادی مضبوط ہے۔ تمہاری نیت سچی ہے۔ تمہارا عقیدہ پختہ ہے۔ تو غیر ممکن کو بھی ممکن کر دکھاؤ گے۔ سُن رکھو۔ تمہارے مقصد کا تیر چٹان کو چھیدتا ہوا باہر نکلیگا۔ اور دشمن کو ہلاک کر دیگا۔ تم کامیاب ہو جاؤ گے۔

جاپان کے فوجی گیت میں اس قصہ کا خلاصہ ان لفظوں میں ظاہر کیا جاتا ہے۔

سیلاب سے مُنہ موڑو نہ آفت سے ڈرو تم
صدموں کا نہ ہو خوف نہ کچھ فکر کرو تم
خون اپنا گرا دو۔ کرو دُنیا تہہ و بالا
جاپان کا جھنڈا اُٹھے ہو جائے اُجالا
مرنا ہو مگر ملک کی اُلفت نہیں چھوڑو
تا زیست کبھی اس کی محبت نہیں چھوڑو
جینے کا یا مرنے کا کبھی دھیان نہ لاؤ
کچھ غم نہیں تیرے سہو اور برچھیاں کھاؤ
آجائے کہیں موت بھی گر کاش تمہاری
اس جھنڈے کے پہلو میں رہے لاش تمہاری
اس شمسی علم کے لئے تم جان سے کھیلو

تیروں سے جگر کوہ کا یکبارگی چھیدو

(۵۲) فرض کیساتھ پریم کو بھی شامل کرو

کرنل انڈر ووڈ۔ میکسیکو۔ امریکا کے رہنے والے ہیں۔ ان کے پاس دو پھول کے درخت تھے۔ جس وقت اُس نے اُن کے ساتھ اپنے خیالات کے تجربہ کی ابتدائی کی۔ دونوں تندرستی کے حالت میں تھے۔ ایک درخت کو اُس نے پریم و محبت کے نگاہ سے دیکھنا شروع کیا۔ اس کو اچھے خیال سے سوچنے لگا۔ اس کی خوشبو پھول کی خوبصورتی اور ٹہنیوں کے بناوٹ کی تعریف کیا کرتا۔ اپنے دل سے وہ ہمیشہ اس کو دُعائیں دیتا تھا۔ اور نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اس طرح خیال کی مدد سے اُس کی بالیدگی اور نمو میں ترقی ہوتی رہی۔ یہ درخت فوراً بڑھ گیا۔ اس میں پھول پھل آئے جن میں خاص قسم کی خوشبو تھی۔ ایک ہی دن کے اندر اس کے رنگ میں چمک اور خوبصورتی آگئی۔ کرنل کہا کرتا تھا۔ یہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ درخت مجھ کو پہچانتا ہے۔ اور میرے آنے سے اس کو خوشی معلوم ہوتی ہے۔

دوسرے درخت کو یہ کرنل بُری نگاہ سے دیکھا کرتا تھا اُس کو اکثر لعنت ملامت کرتا۔ اس کو شرم دلاتا۔ تین دن کے عرصہ میں وہ مُرجھا گیا۔ ترقی رک گئی۔ اور ایک مہینہ میں سوکھ

گیا۔ کرنل کا بیان ہے۔ اُس نے اِن دونوں درختوں کو ہاتھ
تک نہیں لگایا۔

سادھو کے پیارے پڑھنے والو! یہاں تمہارے سوچنے
وچارنے کے لئے کیسا خوبصورت سبق موجود ہے۔ جن سے
ملو۔ ہنستے ہوئے ملو۔ تاکہ اس کو تمہارے پریم کا حصہ ملے۔
اپنے تحریر میں تقریر میں بات چیت میں پریم کے اصول کو ملا
دیا کرو۔ تاکہ جہاں کہیں تمہارے تصنیف تالیف و کاروبار کا ذکر
ہو۔ جس جگہ پریم کا چشمہ جاری ہو جائے۔ تمہاری باتیں زخموں
پر مرہم رکھیں۔ تمہارے حرکات سے اوروں کو زندگی عطا ہو۔

جو بات میں نے اوپر لکھی ہے۔ وہ میری بھی تجربہ کی
ہوئی ہے۔ بریلی میں میں نے بہت سے درخت لگا رکھے تھے۔
میں سب کو پیار کرتا تھا۔ جب میں کبھی اِن کے پاس سے نکلتا
اِن میں ایک طرح کی حرکت پیدا ہوتی تھی۔ جس سے ظاہر ہوتا
تھا۔ وہ مجھ کو پیار کرنا چاہتے ہیں۔

میرے اوپر مہربانی فرما کر یہ خیال اپنے بیوی اور
بہنوں کے دلوں میں بھر دو۔ نیک عورت اگر چاہے تو بمقابلہ
مرد کے تمام گھر کو جلد سُدھار سکتی ہے۔ اس کے ہاتھ کی بنائی
ہوئی روٹی میں خاص پریم ہوگا۔ اس کے پروسے ہوئے کھانے
میں خاص لطافت ہوگی۔ وہ اپنے ہر کام سے سارے گھر کو
خیر و برکت سے بھر سکتی ہے۔ جو اس کے ہاتھ کی بنی ہوئی غذا

کھائینگے۔ اُن کے زندگی میں خاص قسم کی نیکیاں۔ طاقت۔ لطافت
اور قوت ارادی پیدا ہوگی۔ اگر وہ چاہے۔ تو ثقیل سے ثقیل
غذا تمہارے معدہ سے ہضم کرا سکتی ہے۔ اگر وہ اپنے ہاتھ
کی بنائی ہوئی روٹیوں سے کہے کہ تو شوہر اور بیٹے کو تندرست
رکھ تو وہ اس کا حکم بجا لائینگی۔ دوستو! تم بھی پریم سے کام
لو۔ پریم کا بیج اپنے گھروں میں بو دو تاکہ تمہارے وارث اچھی
فصل کاٹ سکیں ورنہ کرنل انڈرڈ کے پھول کی طرح خراب
نتیجہ ہوگا۔

کرم کرو۔ مگر کرم کے ساتھ محبت و پریم کو شامل کرو
کیونکہ

از محبت خارہا گل می شود
از محبت سرکہ ہا مل می شود

(۵۳) نور کی زندگی

نفسانی لذات کی رات ختم ہوگئی۔ اب روحانیت کا روز
روشن ہے۔ روحانیت کے نور میں میں اب اپنے آتما کو دیکھ
رہا ہوں۔ رات کی تاریکی کا کوسوں پتہ نہیں۔ میں اب آزاد
ہوں۔ رنج دُکھ۔ بیماری اور مصیبت سب کے پنجوں سے ہمیشہ
کے لئے چھوٹ گیا۔ اصلی تندرستی۔ اصلی خوشی اور اصلی طاقت

میرے حصہ میں آگئی - میں اپنی سچی ماتا کی گود میں خوشی اور سرور کے ساتھ مچل رہا ہوں - ماتا میری ہے - میں ماتا کا پتر ہوں - مجھ میں جو کچھ ہے - ماتا کا ہے - آنکھ - ناک - کان - دل دماغ جو کچھ مجھ میں ہے - وہ سب ماتا کا ہے - ماتا کا دیا ہوا ہے - اور پھر میں کون ہوں؟ آخر میں بھی تو اُسی کا ہوں - اس خیال نے مجھ کو خودی کے دائرہ سے نکال کر بیخودی کے سرور کا وارث بنا دیا - عقل اور نادانی کے طبقات سے باہر آکر اب میں آنند اور سرور کے چمن میں سیر کر رہا ہوں -

شۂ بیخودی نے عطا کیا مجھے اب لباس برہنگی
نہ خرد کی بخیہ گری رہی نہ جنوں کی پردہ دری رہی

مایا کا لباس خود بخود اُتر گیا - جیسا میں ابتدا میں تھا ویسا ہی اب ہو گیا - ماتا مجھ کو دیکھ کر مسکراتی ہے - میری بلائیں لیتی ہے - مجھ کو چومتی ہے - میرا لاڈ کرتی ہے - اور میں اس کے دامن کو پکڑے ہوئے سرور - مستی - بے پرواہی اور پریم کے ساتھ وچرتا ہوں - میں معشوق ہوں ماتا میری عاشق ہے پتر اپنی ماتا کا ہو گیا - تصور اور پریم نے وہ حالت عطا کر دی جو بیان میں نہیں آسکتی -

اور سُرت بسیری سنگل نس دن گورو کا سنگ
آٹو جاؤ کا سے کہوں من ماتا پیو رنگ
اُلٹ سما آپ میں پڑگئی جوت انت

صاحب سیوک ایک سنگ کھیلیں سدا بسنت
ہم باسی اُس دیس کے جہاں بارہ ماس بلاس
پریم بھرے بگسے - کنول - تیج پنج پرکاش

(۵۴) پریم

پریم ہی سب کچھ ہے - کیا تم میں سچے پریتم کا پریم ہے تم مبارک ہو - پھر تم کو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے - پریم میں ساری طاقتیں موجود ہیں - اس کو کسی کا خوف نہیں ہے کفر و مذہب دونوں کی اس کی نگاہ میں ایک سی حیثیت ہے نہ اس میں تعصب ہے نہ مغایرت ہے - نہ خود غرضی ہے - نہ نفسانیت ہے نہ رنج ہے نہ خوشی ہے - نہ وہم ہے نہ بطلان ہے - اے حقیقت کے جاننے والو! پریم ہی ایک چیز ہے - جس کے آنے سے انسان کا دل تمام خوبیوں کا بھنڈار بن جاتا ہے - پریم انسان میں اس قسم کی تبدیلی پیدا کر دیتا ہے - کہ جس کا نشان و گمان تک نہیں رہتا - پریم فرشتہ کے درجہ سے بھی زیادہ بزرگی کا منصب عطا کرتا ہے - اتنا ہی نہیں - پریم کی مدد سے انسان اصلی باپ کے گود میں پہونچ کر ہر قسم کی نیکی - گیان اور بزرگی کا وارث ہوتا ہے

مگر اس پریم کے راہ میں قدم رکھنا آسان نہیں ہے۔

عشق کا گھر بزدلوں پر وا[1] نہیں
عاشقوں کو زیست کی پروا نہیں
سر دیا ہے۔ جس نے۔ پیا ہے جام عشق
حرص دُنیا پھونکر۔ لو نام عشق
ایک ساں ہے عشق کے مے[2] کا خمار
عشق کے مے کا نہیں دیکھا اُتار

[1] کشادہ
[2] شراب

(۵۵) سادھو کی پرارتھنا

پربھو! تو مجھ کو ایسی توفیق دے۔ کہ میرا دل۔ میری زبان۔ اور میرا ہاتھ۔ تینوں تیرے حسب مرضی کام کریں۔ آج سے لیکر میری ساری زندگی اسی اصول پر قایم رہے؏

پربھو! میں صرف تیرے پریم کا دم بھروں۔ جو کچھ میں سُنوں۔ جو کچھ میں دیکھوں۔ جو کچھ میں وچار کروں۔ ان سب میں تیرا پریم شامل رہے۔ جب میں جانوروں کو چہکتے ہوئے پاؤں۔ میرے دل میں یقیں آوے۔ کہ اُن کے الاپ میں تیرے پریم کا سوز ہے۔ گردش کرنے والے زمیں اور ستاروں۔ خوب صورت باغ۔ جنگل اور کہسار میں مجھ کو تیری عجیب صناعی کے دیکھنے اور غور کرنے کا تصور بندھا رہے۔

پربھو! جس غرض کو نگاہ کے سامنے رکھ کر تونے کائنات کو بنایا ہے۔ وہ غرض مجھ میں اور مجھ سے پوری ہو۔ میں اپنے آپ کو تیرے ہاتھ کا اوزار سمجھوں۔ تاکہ خودی۔ خود پسندی اور خود بینی کا مرض مجھ کو کبھی نہ ستاوے۔ تیری اچھیا پوری ہو۔ تیری مرضی سب پر مقدم ہو؏

پربھو! مجھ کو شانتی پروان کر۔ مصیبت میں۔ امتحان میں۔ سختی میں۔ دُنیا کے کاروبار میں مجھ کو شانتی حاصل رہے دنیا کے سخت سے سخت معرکہ میں مصروف رہ کر میں شانتی کے ساتھ تیری غرض کو پورا کرتا رہوں۔ یہی تیرے چرنوں میں پرارتھنا ہے؏

(۵۶) تمیز کا درجہ

ایک فلاسفر اپنے خیال میں محو ہو کر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے پاس سے ایک آدمی بھاگا ہوا گذر رہا تھا۔ اس کے تعاقب میں ایک دوسرا شخص چلاتا ہوا آرہا تھا۔ "پکڑنا۔ پکڑنا۔ بھاگنے نہ پائے"۔

مگر فلاسفر نے اس کی شور وغل کی طرف ذرہ بھی توجہ نہیں کی۔ وہ اس کے پاس آکر غصہ کے لہجہ میں کہنے لگا۔ "بیوقوف! تونے اس کو کیوں نہیں پکڑا؟ وہ قاتل ہے"

فلاسفر نے پوچھا" قاتل! تمہاری مُراد اس لفظ سے کیا ہے؟"

اس شخص نے جواب دیا" اس نے ایک آدمی کو مار دیا ہے"

فلاسفر بولا" ٹھیک۔ یہ فوجی سپاہی ہوگا۔"

اس آدمی کے پاؤں تلے آگ لگ گئی۔ غصہ میں آکر کہنے لگا" احمق! قاتل وہ ہے۔ جو امن و امان کی حالت میں کسی کو مار ڈالتا ہے۔"

فلاسفر" واقعی وہ جلّاد ہوگا!"

آدمی" خر دماغ۔ بے عقل! قاتل وہ ہے۔ جو کسی کو اس کے گھر پر مار ڈالے۔"

فلاسفر" اچھا۔ تمہاری مُراد حکیم اور ڈاکٹر سے ہے۔"

وہ شخص گھبرا گیا۔ اپنا سا مُنہ لے کر رہ گیا۔ اور قاتل کے تعاقب میں روانہ ہوا۔

(۵۷) دُنیا

دُنیا کی زبان سے چھُوٹنا بہت مشکل ہے۔ اگر تُم چُپ ہو تو۔ مخ کہلاؤ گے۔ اگر بات کرتے ہو۔ تو فضول گو کا لقب پا ڈ اس لئے بہتر یہ ہے۔ کہ سچائی کے ساتھ اپنے کام میں لگو۔ اد یہ پرواہ نہ کرو۔ کہ لوگ کیا کہیں گے۔ یا کیا کہہ رہے ہیں۔

جس وقت تم اپنے کام میں کامیابی حاصل کر لوگے۔ یہ لوگ حیرت و تعجب کے ساتھ تمہاری طرف نگاہ کرینگے۔

مگر کامیاب ہونے پر بھی تم کو اس اصول کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے۔ اس کی طرف سے بالکل بے پرواہ رہو۔ یہ تم کو ہمیشہ اپنے ناقص اور غیر مکمل پیمانہ سے ناپتی رہیگی۔ کبھی نادان کبھی دانا بنا دیگی۔ کبھی خود غرض اور کبھی بے غرض بنا دیگی۔ تم آخر کیوں اپنے آپ کو اس کی رائے کے ماتحت بناؤ! سچائی کو لیکر سچے دل سے کام میں لگو۔ اور صرف پرماتما سے اور اپنے دل سے پوچھتے رہو۔ کہ آیا تم حق پر ہو یا ناحق پر ہو اس عمل سے تمہارا بھلا ہوگا۔ اور جو بھول کر کبھی آدمیوں کے ناقص رائے کی پرواہ کی تو پھر یاد رکھو۔ تمہارے نیچے گر جانے میں ذرہ بھی شک نہیں ہے ؀

(۵۸) نفرت اور محبت

اگر کسی شخص سے نفرت کرتے ہو۔ تو یاد رکھو۔ وہ تمہارے ہی پاس واپس آویگی۔ اور جس قدر تم اوروں کی بُرائی چاہتے ہو۔ اتنی ہی تمہارا نقصان ہوگا۔ تمہارے خیالات خراب ہونگے دل مشوش ہوگا۔ اور تمہاری اپنی زندگی تلخ ہو جائیگی۔ گھروں میں جب لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں۔ تو مرد عورت ایک

دوسرے سے بولنا چالنا بند کر دیتے ہیں۔ اِن سے پوچھو۔ کیا نفرت کا زخم تمہارے دل کو مجروح نہیں کر رہا ہے۔ کتنے آدمی ہیں۔ جو اس ناپاک عادت سے پریشان ہیں۔ نفرت کرنے سے انسان کی دلی و دماغی قابلیت کو سخت دکھ پہونچتا ہے۔ اور اس کے انسانیت سے گر جانے کا ہمیشہ خوف رہتا ہے۔

بہتر ہے جو تم سے نفرت کرتے ہیں۔ تم اُن کو پیار کرو۔ تمہاری زندگی اس سے خوش نما ہوگی۔ دل خوش رہیگا۔ اور تم دیوتا بنتے جاؤ گے۔ حسد سے بچو۔ تم کو بد صورت بنا دیگا۔ اور دل کو ناپاک کر دیگا۔ محبت اور پیار سے محبت اور پیار کے خیال تمہاری طرف آئینگے۔ اور تمہارے دل کو پاک بنا ئینگے۔ زندگی خوشی سے بسر ہوگی۔ ورنہ اس کے بر عکس ہوگا۔ کبیر صاحب فرماتے ہیں۔

جو تجھ کو کانٹے بوئے۔ تاہی بوئے تو پھول
تجھ کو پھول کے پھول ہیں واکو ہیں ترسول

(۵۹) جھوٹ

ایک پادری کا گذر چھوٹے لڑکوں کے گروہ میں ہوا۔ جو آپس میں کتّے کے لیۓ لڑ جھگڑ رہے تھے۔ اس نے پوچھا۔ اس جھگڑے کا کیا سبب ہے۔؟ بچوں نے جواب دیا۔" ہم لوگوں

نے بازی بدی ہوئی ہے۔ جو شخص سب سے بڑا جھوٹ" کہیگا۔ یہ کتا اس کو انعام میں ملیگا۔" پادری نے کہا یہ کتنے افسوس کی بات ہے۔ تم کو سچ بولنا چاہیۓ نہ کہ جھوٹ۔ جب میں تمہاری عمر کا تھا۔ کبھی ایک جھوٹی بات بھی زبان سے نہیں نکالی۔" ابھی پادری نے مشکل سے اپنی بات ختم ہوگی کہ ایک بہت کمسن لڑکا زور سے چلّانے لگا۔" کتا اس پادری کو دے دو۔ اس سے زیادہ اس پر اور کسی کا استحقاق نہیں ہے۔

(۶۰) حقیقت

ایک چنڈال کسی جانور کا گوشت لیۓ ہوئے جا رہا تھا سوامی شنکر اچاریہ گنگا سے سنان کر کے واپس آ رہے تھے۔ وہ چھو گئے اور غصہ میں آکر کہنے لگے۔" دیکھ تو نے مجھکو چھو لیا۔" چنڈال نے جواب دیا۔" وہ بھگون! نہ آپ نے مجھ کو چھوا۔ نہ میں نے آپ کو چھوا۔ آپ بہت لوگوں سے بحث مباحثہ کرتے ہو آج مجھ سے بحث کرو۔ کیا تمہارا روپ جسم۔ من یا بدھی ہے؟ سچ مچ آپ ان میں سے کوئی نہیں ہے۔ آپ جانتے ہیں۔ ہم اور آپ دونوں آتما ہیں۔ جس میں نہ ست ہے نہ رج ہے۔ نہ تم ہے نہ مادہ ہے۔ پھر میں نے کس کو چھو لیا۔" شنکر اچاریہ نے اس کو نمسکار کیا۔

(۶۱) گیان کا درجہ

بابو کیشب چندر سین اور پرم ہنس رام کرشن کے درمیان
ایک مرتبہ وعظ کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ پرم ہنس جی
نے کہا "اگر تم رُوحانیت میں ترقی کرتے جاؤ۔ اور اعلےٰ
اصول کی پیروی کے ساتھ اعلےٰ تعلیم دیتے جاؤ۔ تو کوئی زمانہ
آ جائیگا۔ جب تمہارا "سماج بنانے کا خبط خود بخود دور ہو
جائیگا۔ جب انسان گیان کے درجہ میں پہونچنے لگتا ہے۔ اس
قسم کا خیال کبھی اس کو نہیں ستاتا۔ اور نہ وہ اس کی فکر
میں رہتا ہے۔

(۶۲) معراج

جب انڈہ پھوٹ جاتا ہے۔ پرند باہر آ کر آسمان کی طرف
اُڑ جاتا ہے۔ اسی طرح جب انسان اپنی ذات کو اور اس مادی
جسم کو سمجھ جاتا ہے۔ اس کے دل سے سنسار کا خیال دور ہو
جاتا ہے۔ اور آتما پرماتما روپی آکاش میں اُڑ کر عجیب و غریب
حالت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

(۶۳) اصلیت

مندودری راون کی رانی تھی۔ جب وہ سیتا کو ہر لایا
اور سیتا اس کے ساتھ رہنے کو راضی نہیں تھی۔ مندودری
نے کہا "تو رام کی شکل کیوں نہیں اختیار کر لیتا۔ تاکہ سیتا
کو دہوکا ہو جائے۔ اور تیرے ساتھ رہنے میں عذر نہ کرے"
راون نے کہا "چھی اچھی!! یہ تو کیا کہتی ہے۔ اگر میں
رام کی صورت کا بن جاؤں۔ تو پھر بھوگ بلاس کا خیال کہاں
رہیگا۔ اور سیتا کیسے اعتبار کریگی۔ کیونکہ رام میں نفسانیت
نہیں ہے۔ اور وہ بہشت تک کے سکھ کی خواہش نہیں رکھتے
رام اور سنسار کا بھوگ وِلاس۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔"

(۶۴) غصہ

دو سادھو راہ میں چلے جاتے تھے۔ دونوں شانت تھے۔
دونوں کو غصہ نہیں آتا تھا۔ سبب پوچھنے پر ایک نے کہا۔
میں اس لئے غصہ نہیں کرتا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں تھوڑی
دیر کے بعد مجھکو پچھتانا پڑیگا۔ دوسرا بولا "مجھ اس وجہ سے
غصہ نہیں آتا۔ کہ اس سے میرے چت کے بگڑ جانے کا خوف
رہتا ہے۔ میں جان گیا ہوں غصہ کرنے سے کمزور ہو جاؤنگا۔ اور

دشمن مجھ کو مغلوب کرینگے ؎

(۶۵) پیاری موت آجا

آموت! جان میری آفت میں مُبتلا ہے
جھگڑے بپا ہیں ہر سو۔ سر پر کھڑی بلا ہے
آرام جان جاناں۔ راحت دل و جگر کی!
زخموں کی تو ہے مرہم۔ دارو ہے دردِ سر کی!
تجھ سے نجات ملتی ہے رنج سے الم سے
تو دیتی ہے رہائی دُکھ درد اور غم سے
عابد فقیر و زاہد۔ ہر اک ہے تیرا شیدا
خواہش ہے سبکو تیری سب میں ہے تیرا چرچا
آرحم کر خُدارا۔ پردہ ذرا اُٹھا دے
جس کی ہوس ہے صورت اُسکی مجھے دکھا دے
اے موت جلد آجا۔ دے ہم کو زندگانی
تیرے طُفیل پائیں۔ ہم عیش و کامرانی
آسایش دوگیتی اے موت! نام تیرا
دُکھ درد سے بچانا ہے موت! کام تیرا
مادر کی طرح۔ شفقت ہے گود میں اُٹھالے
منجدھار میں پڑے ہیں۔ گرداب سے بچالے

کشتی شکستگانیم اے بادِ شرطہ بر خیز
باشد کہ باز بینم آں روئے فرحت انگیم

(۶۶) موت خوف کی حالت نہیں ہے

کبیر صاحب فرماتے ہیں ؎
جا مرنے سے جگ ڈرے موہی بڑا آنند
کب مرہوں کب پاہوں پورن پرم آنند
ایک فارسی کا شاعر کہتا ہے ؎
دویدن رفتن استادن نشستن خفتن و مُردن
بہ قدرِ ہر سکون راحت بود بنگر مراتب ہا

(۶۷) تندرستی کے احکام

مادہ کو رُوح پر کبھی ترجیح مت دو۔ کیونکہ رُوح غیر تبدیلی پذیر ہے۔ مادہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے۔
مادہ کی پرستش نہ کرو۔ ورنہ تم آتم گھاتی کہلاؤ گے۔ اور روحانیت تم سے کافور ہو جائیگی۔
رُوحانی! تو نپر بہت زیادہ بحث مباحثہ نہ کیا کرو۔ بھونکنے والے کتے کم کاٹتے ہیں۔ صرف کام کرو۔ اور کام کے ذریعہ ایشور

میں اپنے وشواش کا یقین دلاؤ۔

خوف کبھی نہ کرو۔ کیونکہ تم آتما ہو۔ جسم نہیں ہو۔ آتما کو کس کا ڈر ہے۔ وشواس رکھو۔ زندگی کی طرف سے نا امید نہ ہو۔

تمام کائنات میں رُوح ہی محیط ہے۔ اُس کی تعظیم کا خیال دل میں رکھو۔ قانون۔ انقلاب۔ فکر و تردد کی نسبت ہمیشہ سوچتے رہنا نادانی ہے۔ یہ سب تبدیل ہونے والے ہیں۔ تبدیل ہونے والوں کی نسبت فکر کسنی یہ کسی نہ کسی دن خود غائب ہو جائیں گے۔ اگر غور کرنا ہو۔ تو اپنی ذات پر غور کرتے رہو۔

بُرے خیالات کو دل میں نہ آنے دو۔ پھر کبھی تم بُرے کام نہ کرو گے۔ جو نیک خیال والے ہیں۔ وہ خونی جلاد یا بے رحم ظالم نہیں بنتے۔

سب کی بھلائی پر نگاہ رکھو۔ تاکہ عمر زیادہ ہو۔ اور سُکھ سے زندگی بسر کر سکو۔

عقل کی عزت کرو۔ اپنے اوپر بھروسہ رکھو۔ دوسروں کی رائے پر کام نہ کرو۔ نہ ہمیشہ ذاتی معاملہ میں کسی کی رائے لیا کرو۔ تم میں بھی تو آخر عقل ہے۔

یہ کبھی خیال نہ کرو۔ کہ دنیا کی کوئی چیز تم کو خوش کر سکیگی خوشی نہ دولت میں ہے نہ شہرت میں نہ عزت میں۔ نہ کھانے میں نہ پینے میں نہ پہننے میں۔ نہ من میں دوسروں کے خیالات ٹھونسنے میں ہے۔ بلکہ اپنے اندر وچارنے میں ہے۔ خوشی صرف

تمہارے من کی بہتر حالت کا نام ہے۔ اِس لئے اپنے من میں خوش رہنے کا تصور کیا کرو۔ اور تمہارا بھلا ہوگا۔

(۶۸) ہر سرے ہر سودائے

کسی مشن سکول میں ایک پادری صاحب نے بہشت کی خوبیوں پر وضاحت سے لکچر دیتے ہوئے۔ لڑکوں سے کہا "جن لڑکوں کو بہشت میں داخل ہونے کی خواہش ہو۔ وہ جھٹ پٹ کھڑے ہو جائیں"۔ ننانوے فیصدی سے زیادہ لڑکے اُسی وقت کھڑے ہو گئے۔ مگر ایک بہت کمسن لڑکے نے پادری صاحب کی آستین پکڑ کر کہا۔ "نہیں۔ نہیں۔ ابھی نہیں۔ اتنی جلدی نہیں۔ پہلے میں بندر کا تماشہ دیکھ لونگا۔ تب بہشت میں چلونگا بندر والا آج شام کو میرے محلہ میں آویگا"

کیا اس واقع پر حاشیہ چڑھانے کی ضرورت ہے؟

(۶۹) دُنیا کے مُعلم

دنیا میں مختلف قسم کے مُعلم ہیں۔ سب سے پہلا درجہ اُن کا ہے۔ جو خاموش رہ کر محض اپنے سکوت اور خاموشی سے تعلیم دیتے ہیں۔ اُن کی تعلیم سب سے زیادہ موثر ہوتی ہے۔ دوسرے

وہ جو زبان کو قابو میں رکھکر صرف نیک کام کرتے ہوئے اپنے عملی مثال سے سبق دیتے ہیں۔ اس قسم کے اُستاد کسی پنتھ یا طریق کے بانی نہیں ہوتے۔ تیسرے وہ ہیں۔ جو نیک کام بھی کرتے ہیں۔ اور نیکی کی ہدایت بھی کرتے رہتے ہیں۔ دُنیا کے مختلف طریق کی ابتدا ایسے ہی بزرگوں کی ذات سے ہوئی ہے۔ چوتھے وہ ہیں۔ وہ صرف زبانی جمع خرچ سے دُنیا کی تعلیم کا اہتمام کرتے ہیں۔ اس آخری درجہ کے مُعلّم واچک گیانی کہلاتے ہیں۔ یہاں اور ان ہی سے ریاکاری کی ابتدا ہوتی ہے۔

تم کس درجہ کے مُعلّمین سے تعلیم پانے کے خواہشمند ہو؟

اُس بوریا نشین کا دِلا میں مُرید ہوں۔
جس کے ریاض زہد میں بوٹے ریا نہ ہو

(۷۰) موقع و محل

دو امریکن چھوٹی کشتی پر سوار تھے۔ اُن میں سے ایک عورت تھی۔ دوسرا مرد تھا۔ دونوں نوجوان تھے۔ اور کسی حد تک ایک دوسرے کے چاہنے والے تھے۔ سمندر میں طوفان آ گیا۔ جوان مرد جانتا تھا۔ کہ خطرہ میں اور مُصیبت کے وقت عورت اُس کے گلے کا ہار بنجائیگی۔ اور اُس کو اس کی وجہ سے کشتی کے کنارے تک پہونچانے میں ناکامیابی ہوگی اس لئے اس نے موقع دیکھ

کر کہا "خبردار! تم جہاں بیٹھی ہو۔ وہاں سے جنبش نہ کرو" یہ بات ایسے وحشیانہ لہجہ میں کہی گئی تھی۔ کہ عورت چونک پڑی اور حسرت و رنج کے ساتھ کہنے لگی "میں نہیں جانتی تھی۔ کہ تم ایسے بد تہذیب ہو۔ ورنہ کبھی تمہارے ساتھ نہ آتی" مرد نے مطلق اُس کی طرف التفات نہیں کیا۔ ہاتھ میں ڈانڈے لیکر کھینا شروع کیا۔ سمندر کی لہریں اس قدر بلند ہوتی گئیں۔ کہ آسمان سے باتیں کرنے لگیں۔ دونوں پانی کے تپاچوں سے پریشان ہوگئے۔ کشتی کبھی ادھر کبھی اُدھر کروٹیں لیتی رہی۔ مرد تو مستعدی سے اپنا کام کرتا رہا۔ عورت مغموم ہوکر چپکے اپنی جگہ پر بیٹھی رہی۔ آخر بہزار وقت وہ کشتی کو کنارے لایا۔ تاہم آتے آتے وہ اُلٹ گئی۔ اور وہ بیہوش و نیم جان عورت کو گود میں اُٹھاکر اُس کے رشتہ داروں کو سپرد کیا۔ عورت کو مرد کی سخت کلامی کا اس قدر رنج تھا۔ کہ وہ کئی دنوں تک نہ تو خود اُس سے ملی۔ نہ اُس کو اپنے پاس آنے کا موقعہ دیا۔ اتفاق سے اُس کے باپ نے اس کا سبب پوچھا۔ اور جب عورت نے اس کی بدتہذیبی کی شکایت کی۔ تجربہ کار باپ نے ہنس کر کہا "وہ بداخلاق نہیں ہے۔ بلکہ حد درجہ کا موقع بین ہے۔ اگر اُس نے ایسی باتیں نہ کہی ہوتیں۔ تو تم عورتوں کی عادت کی سوا فق خطرہ کے وقت اُس سے لپٹ جاتیں اور دونوں پانی میں ڈوب جاتے۔ اس کی باتوں کا یہ

نتیجہ ہوا۔ کہ تم کو خطرہ کے وقت اُس سے پٹنے کا موقع نہیں ملا۔ اور وہ تم کو جان جوکھم سے بچا لایا۔ اس قسم کے موقع بین النسان مُشکل سے دُنیا میں ملتے ہیں"۔

عورت بہت متاثر ہوئی۔ پھر وہ دونوں پہلے کی طرح ملنے جُلنے لگے۔ اور اُن کی شادی ہو گئی۔

(۱۷) خطرناک آدمی

سماجوں کے اُپدیشک۔ دوا فروش حکیم۔ عدالتوں کے وکیل و بیرسٹر۔ پولیٹکل اجیٹیشن مچانے والے۔ پولیس کے اہلکار۔ قصاب تمباکو فروش۔ دوکاندار وغیرہ اُس وقت اپنی ذات کے لیٔے بالخصوص بہت ہی زیادہ خطرناک ہو جاتے ہیں جب یہ خودغرضی یا روپیہ کے لالچ میں آ کر کام کرنے لگتے ہیں۔ دُنیا کو تو چاہیئے۔ یہ اس قدر نقصان نہ بھی پہونچا سکیں۔ مگر افسوس یہ سب کے سب روز بروز بہ اشتناء اخلاقی موت سے سرے چلے جا رہے ہیں۔ اور اُن کے نجات کی صورت نہیں نظر آتی۔ خودکشی کرنا جرم ہے۔ گورنمنٹ نے خودکشی کرنے والوں کے لیٔے قانون کا شکنجہ بنا رکھا ہے۔ مگر ان اخلاقی خودکشی کرنیوالوں کے لیٔے کوئی بھی قانون نہیں ہے۔ یہ اُن بازاری عورتوں سے بھی زیادہ زہریلے ہیں جو مخرب اخلاق کہی جاتی ہیں۔

(۱۸) سِکھ سردار کیوں کہلاتے ہیں

اکثر غیر ملک کے آدمی جب پنجاب میں آتے ہیں۔ چھوٹے موٹے سکھوں کو بھی سردار کے نام سے پکارے جانے پر تعجب کرتے ہیں۔ آخر ان سِکھوں نے کام کیا کیا ہے۔ جو سب کے سب سِکھ کہلاتے ہیں۔ اور ونکو چاہیے تعجب ہو۔ مگر ہم کو کوئی تعجب نہیں ہے۔ ہم جانتے ہیں۔ یہ کیوں سردار کہلاتے ہیں۔ اور ہماری سمجھ میں یہ اس کے مستحق بھی ہیں۔

جب گورو گوبند سنگھ جی نے نئے سرے سے خالصہ پنتھ کا سنسکار کرنا چاہا۔ اپنے شاگردوں سے جس چیز کی پہلے درخواست کی تھی۔ وہ اُن کا سر تھا۔ اور اُن کے سِکھ جوش و خروش کے ساتھ آگے بڑھ کر اپنے سروں کو گورو کے قدموں پر جُھکا دیا اسی طرح جب جب اُن کے سروں کی ضرورت پڑی یہ خوشی خوشی سر دینے کے لیٔے تیار ہو گئے۔ جو چیز جس کے پاس ہوتی ہے۔ اُسی کی اُس سے خواہش کی جاتی ہے۔ ان سِکھوں کے پاس اُنکے سر موجود تھے۔ جو ہر وقت "گورو" پر اور گورو کے نام پر فدا کرنے کے لیٔے حاضر رہتے تھے۔ اس لیٔے یہ سردار کہلاتے تھے۔ جو سر نہیں دے سکتے۔ نہ وہ سردار ہیں نہ سروالے ہیں خصوصیت صرف گورو نانک کے لاڈلوں کو عطا کی گئی تھی۔

کبیر صاحب فرماتے ہیں :-

سر راکھے سِر جات ہے ۔ سِر کاٹے سر سوئے
جیسے باتی دیپ کی کٹ اُجیاری ہوئے

جو لوگ قربانی کی ناحق صدائیں بلند کرتے ہیں ۔ اور اصلی ایثار نفس اور "تپ" کے نام سے واقف ہیں ۔ وہ آکر دیکھیں سکھ کس طرح قربانیاں کرتے تھے ۔ سچا مذہب صرف وہ ہو سکتا ہے ۔ جو انسان کو حقیقت کی راہ بتا کر اس کو دھرم کے نام پر ہمیشہ بلدان ہونے کے لئے تیار رکھے ۔ جس میں یہ خوبی نہیں ہے ۔ وہ محض کتابی اور زبانی دھرم ہے ۔ اُس میں کبھی سردار نہ پیدا ہونگے ۔ اور نہ پیدا ہونے کی اُس سے اُمید کرنی چاہئے ۔

(۷۳) مُقدّس سایہ

مدت گذری کسی بہت بڑے سنت کی پاکی اور بزرگی کو دیکھکر خدا کے فرشتوں کو سخت متحیر ہونا پڑا ۔ یہ سادہو جہاں جاتا تھا ۔ صبر و برکت پھیلاتا تھا ۔ اور لُطف یہ کہ اُس کو اپنے بزرگ کا مطلق علم تک نہیں تھا ۔ جیسے گلاب کی خوبصورت پنکھڑیاں بغیر جانے ہوئے اپنی آسمانی خوشبو سے لوگوں کا دماغ معطر کرتی رہتی ہیں ۔ اُسی طرح یہ بزرگ بھی اپنے قول فعل ۔ اور خیال سے بندگان خدا کا بھلا کرتا تھا ۔ اس کا اس اصول پر عملدر آمد

لینے کو ست نام ہے دینے کو ان دان
ترنے کو ہے دینتا ۔ ڈوبن کو ابھمان

فرشتوں نے خدا سے کہا "یا بار خدایا ! اس بزرگ کو کرامات کرنے کی طاقت عطا فرما"

خدا نے جواب دیا "بہت اچھا ۔ مگر پہلے اِس فقیر سے بھی تو پوچھ دیکھو ۔ وہ سدھی شکتی چاہتا بھی ہے یا نہیں"

فرشتے اس کے پاس آکر کہنے لگے "کیوں جی ! کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارے ہاتھ کے لگنے سے مریض اچھے ہو جائیں ؟

"سنت نے کہا" نہیں ۔ میں چاہتا ہوں یہ کام خود خدا ہی کیا کرے"

"پھر کیا یہ تم کو منظور ہے کہ تمہارے اُپدیش سے گنہگار آدمی نیک بن جائیں ؟"

"نہیں ۔ یہ فرشتوں کا کام ہے ۔ میں صرف دُعا مانگتا ہوں ۔ میں بُروں کو نیک نہیں بناتا"

فرشتوں نے تیسری دفعہ پوچھا ۔ "کیوں ! کیا تم نہیں جانتے کہ تم صبر استقلال اور دانائی کے نمونہ بنجاؤ ۔ تاکہ انسان تمہاری مثال سے نیک ہوں ۔ اور تمہاری زندگی خدا کی ستائش کا ذریعہ بنے ؟"

سنت نے جواب دیا ۔ "نہیں ۔ میں نہیں چاہتا ۔ آدمی میری طرف رجوع کریں ۔ میری خواہش ہے وہ پرماتما کی طرف

جھکیں ہیں اُن کا دل کبھی خدا کی طرف سے نہ پھرے گا۔ خدا کو
طاقت ہے وہ اپنی ستایش کے اور ذریعے پیدا کرے“
فرشتے گھبرائے ”پھر تم کیا چاہتے ہو؟“
سنت ہنسا ”میں کس بات کی خواہش کروں۔ مجھ پر خدا
کا فضل ہے۔ اس کا دیا ہوا سب کچھ میرے پاس ہے۔“
فرشتوں نے کہا ”تم کسی نہ کسی قسم کی کرامات کی خواہش
کرو۔ ورنہ وہ مجبوراً تم کو دی جائیگی“
سنت بولا ”بہت اچھا۔ میں یہ چاہتا ہوں۔ کہ جہاں کہیں میرا
سایہ پڑے۔ وہاں خیر و برکت کے کرشمے پیدا ہوں۔ لیکن میں
ہمیشہ اُس سے ناواقف رہوں“
فرشتے سخت پریشان و حیران ہوئے۔ آخر آپس میں مشورہ
کرکے یہ تجویز نکالی۔ کہ جہاں کہیں اس سنت کا سایہ پڑے۔ وہ
اس کو دیکھ نہ سکے۔ مگر سایہ کے پڑتے ہی بیماروں کو صحت۔ فکر
مندوں کو تسلی۔ مضمحل طبیعتوں کو آرام عطا کیا جائے۔“
اور ایسا ہی ہوا۔ جہاں کہیں داہنے بائیں آگے پیچھے اس فقیر
کا سایہ پڑا۔ وہیں سوکھا ہوا درخت لہلہا اُٹھا۔ جلی ہوئی گھاس
ترو تازہ ہوگئی۔ خشک نہروں میں پانی آگیا۔ مرجھائے ہوئے
بچے پنپ اُٹھے۔ ناامید عورتیں خوش ہوگئیں۔
مگر سنت اپنا روزانہ کام حسب معمول کرتا رہا۔ جیسے سورج
اپنی روشنی بکھیرتا ہے۔ ویسے ہی وہ ہر چہار طرف خیر و برکت پھیلا

رہا۔ مگر اُس کو ذرہ بھی اس کا علم نہیں تھا۔
لوگ اُس کی منکسرالمزاجی کی تعظیم کرتے۔ خاموشی کے
ساتھ اُس کے پیچھے رہتے۔ اور اُس کے کراماتی اثر سے فایدہ اُٹھاتے
رہتے تھے۔ رفتہ رفتہ وہ اُس کا نام بھی بھول گئے۔ اور سب اُس
کو ”مقدس سلیمہ“ کے مہمل خطاب سے مخاطب کرنے لگے۔

(۷۴) ہر کسے ناصح برائے دیگراں

ایک کمسن۔ مگر شریرالنفس و زبان دراز لڑکا اپنے سے زیادہ
عمر والے کے ساتھ شرارت کر رہا تھا۔ اس کے باپ کو اس کا ڈھنگ
پسند نہیں آیا۔ لڑکے کو سخت و سُست سُنا کر کہنے لگا ”اے بیوقوف
احمق نادان! اخلاق و تہذیب کیوں نہیں سیکھتا؟“
لڑکے نے زور سے قہقہہ مار کر جواب دیا ”پتاجی! میں تو بیوقوف
احمق اور نادان ہوں۔ میرا قصور قابل معافی ہو سکتا ہے۔ لیکن
آپ دانا۔ بزرگ اور ہمہ دان ہو کر بھی تو اپنی عملی مثال سے مجھ کو
اخلاق و تہذیب نہیں سکھاتے۔“
ماں باپ جب تک خود اچھے نہ ہوں۔ اُن کو لڑکوں کے نصیحت
کرنے کا کیا حق ہے!؟

(۷۵) میرا، تیرا، اپنا

خودی۔ خود بینی۔ خود غرضی۔ خود پسندی یہ سب باتیں انسان کے اندرونی سفلی جذبات کے عکس ہیں۔ جو زیادہ میرا تیرا کرتا رہتا ہے۔ سمجھ لو اس کو اب تک انسانیت کے درجہ میں ترقی نہیں ہوئی۔ اور نہ وہ روح کے بلند طبقہ کے قابل بنا ہے۔ میرا مذہب، میرا خدا، میرا گورو، یہ سب اصطلاحات بھی ویسے ہی حقیر اور پوچ ہیں جیسے میرا لڑکا، میری جائیداد وغیرہ۔ جب تک آدمی اس طرح کے خیال سے اونچا نہیں آتا۔ تب تک اُس کے لئے مذہب کی تعلیم بالکل بمعنی ہے۔ جو نیک کام کرتے ہوئے اپنی نیکی کا خیال رکھتے ہیں۔ اُن کے لئے بھی وہ نیکی اس قدر برکت کی باعث نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جہاں میرا، تیرا، اپنا رہتا ہے۔ وہاں ہی دوزخ کی آگ کے شعلے بھڑکتے ہوئے نظر آویں گے ؛

قحط کے دنوں میں کسی شخص نے بھوکے آدمی کو ایک بڑی مولی دان دی۔ اس نے آسودہ ہو کر کھا لیا۔ دان دینے والے کو دعائیں دیں۔ یہ شخص بہت بُرا آدمی تھا۔ جب یہ مر گیا۔ جم کے دُوت اس کو پکڑنے آئے۔ تاکہ نرک میں لیجا کر ڈال دیں۔ مگر جب اس کی رُوح قبض کی گئی۔ وشنو کے دُوت بھی آ پہونچے۔ اور کہنے لگے۔ کہ یہ شخص نیک ہے۔ وبکنٹھ کو جائیگا۔ نامۂ اعمال پیش ہوا فریقین کے درمیان بحث مباحثہ شروع ہوا۔ [illegible]

اپنی مدت العمر میں سواء ایک مولی کے دان کے اور کچھ خیرات نہیں کیا تھا۔ وشنو کے دُوت نے کہا "خیرات کی یہی ایک مثال اُس کے ویکنٹھ میں لے جانے کے واسطے کافی ہے"۔ مگر جم کے دوتوں نے کہا "ترازو کے دو پلڑے ہیں۔ دیکھ لو کون نیچا اور کون اونچا ہے"۔ غرضیکہ اُن کا جھگڑا طے نہیں ہوا۔ آخر جم اور وشنو کے دربار میں مقدمہ رجوع کیا گیا۔ وشنو نے کہا "یہ جھگڑا فضول ہے۔ انسان خود اپنی قسمت کا آپ فیصلہ کیا کرتا ہے۔ اُس کو آزاد کر دو دیکھو۔ وہ خود کدھر جاتا ہے ؛

آدمی چھوڑ دیا گیا۔ اس کے ہر چہار طرف تاریکی تھی۔ کیونکہ بدکاریوں کے تاریک بادلوں نے روشنی کو ڈھک دیا تھا۔ صرف اوپر کی طرف روشنی تھی۔ اور ایک سفید چمکتی ہوئی مولی اُس کے سر پر لٹک رہی تھی۔ آواز آئی۔ مولی کو پکڑ لے دیکھ کو چل اس نے مولی پکڑ لی۔ مگر اسی وقت مولی پر اس بھوکے آدمی اور اُس کے متعلقین نے بھی ہاتھ بڑھایا۔ جس کو مولی کا دان دیا گیا تھا۔ کیونکہ اچھا دان دانی اور لینے والے دونوں کو بھوساگر سے پار کر دیتا ہے۔ مولی ان سب کو اوپر کی طرف کھینچ کر لے چلی جب کچھ دیر یہ سب اوپر چڑھے۔ اُس آدمی نے کہا۔ واہ! مولی تو میری ہے۔ تم کو کیا استحقاق ہے۔ کہ اس کو ہاتھ لگاتے ہو۔ میں نے ہی تو دان دیا تھا ؛
یہ لفظ ابھی بمشکل اس کی زبان سے نکلے تھے۔ کہ تڑاقے

کی آواز پیدا ہوئی۔ موکی دیکھتے دیکھتے غائب ہو گئی۔ آدمی نیچے
کی طرف گرا۔ اور جم کے دوت اُس کو نرک میں لے گئے۔
"میرا، تیرا" کرنے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے۔ پڑھنے والو! تم اس
قصے سے سچائی کا سبق سیکھو۔

(۷۶) سچے انسان کا موکش اور بندھن

گورو ہرگوبند صاحب کو جہانگیر نے گوالیر کے قلعہ میں قید
کر رکھا تھا۔ یہ بیچارے یک لخت بارہ برس تک وہاں پڑے
رہے۔ آخر لاہور کے ایک مشہور صوفی فقیر میاں میر صاحب
مرحوم نے بادشاہ سے کہا "آپ نے گورو ارجن دیو کو تکلیف
دیکر قتل کرایا۔ اور گورو ہرگوبند جی کو ناحق بلا قصور قید کر رکھا
ہے۔ ایسا نہ ہو۔ اس کا نتیجہ تمہارے حق میں ناقص ہو۔"
بادشاہ ڈرا۔ وزیر کو گوالیر بھیجا۔ کہ ہرگوبند جی کو نجات کی
خوشخبری سُنائے۔ ہرگوبند جی ہنسے "میں قید کب تھا کہ مجھ کو تو
چھوڑانے آیا ہے۔ میں تو ہمیشہ سے جیون مُکت ہوں۔ خیر اگر
یہ منظور ہے کہ میں قلعہ سے باہر نکلوں۔ تو میرے ساتھ اِن
پانچ سات ہزار راجپوتوں کو بھی باہر نکلنے کی اجازت ہونی
چاہیئے۔ کیونکہ جب کبھی کوئی فقیر قید میں آتا ہے۔ تو اس کا مطلب
صرف یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ قیدیوں کی نجات کا ذریعہ بنے۔ اگر

ان کو بھی رہائی کی اجازت ہے تو خیر۔ ورنہ ہم بھی آزاد ہوتے
ہوئے قید میں پڑے رہیں گے۔"
دہلی خبر بھیجی گئی۔ حکم ملا۔ جتنے آدمی گورو کا دامن پکڑ
سکیں۔ سب ساتھ ساتھ باہر چلے آئیں۔ ہرگوبند جی نے کئی
تھان کپڑے منگوائے۔ بہت بڑا لمبا چوڑا جامہ بنوایا۔ اور بندھن
والے جیوؤں کے اُپکار کے لئے اس کو پہن لیا۔ قلعہ میں کوئی
بھی آدمی نہیں رہا۔ جو گورو صاحب کے دامن سے نہ لٹکا ہو۔ اور
اس طرح سب ہنستے کھیلتے ہوئے قلعہ سے باہر آ گئے۔
نجات کے وعظ سُنانیوالو! سادھو کا بندھن اور موکش
یہ ہے۔

(۷۷) میرا مذہب میرا اصول

لندن کے کسی محلہ میں ایک دولتمند موچی رہا کرتا تھا۔ جو
اپنے مذہب کا پکا اور کٹر حامی تھا۔ وہ چاہتا تھا۔ سب لوگ اُس
کے مذہب اور اُس کے اصول کی پیروی کریں۔ اور اس لئے
جب وہ کسی سے ملتا۔ اپنے طریق کی تعریف اور دوسروں
کی مذمت کیا کرتا۔ کسی کو بت پرست کہتا۔ کسی کو دہریہ بتاتا۔
کوئی اُس کی نگاہ میں نادان تھے۔ کوئی باطل پرست بنے۔
اُس شخص نے غریب ہمسایوں کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔
زبان کا اتنا طرار تھا۔ کہ کوئی اُس پر غالب نہیں آسکتا تھا۔

اُس محلہ کے ایک رئیس نے اُس کو بُلا بھیجا۔ جب وہ آیا۔ رئیس نے ایک جوتے کا نمونہ دیکر کہا "اس قسم کا جوتا بنانا ہے۔" اُس نے کہا "بہت اچھا میں جوتا بنا لوں گا۔ اس کی قیمت پانچ شلنگ ہوگی۔" رئیس نے کہا "قیمت کے لئے کچھ مضائقہ نہیں۔ مگر بات یہ ہے۔ اسی لمبائی چوڑائی کا جوتا میرے لئے ہو میرے چھوٹے لڑکے کے لئے ہو اور ایسے ہی میری بیوی کے لئے ہو۔"

موچی گھبرایا "خداوندا! آپ نے آج کہیں زیادہ مقدار میں شراب تو نہیں پی لی۔ معمولی عقل کہتی ہے۔ کہ سب کے پاؤں کے جوتے ایک سے نہیں ہو سکتے۔ آپ کی بیوی کا پاؤں بارہواں ہے۔ آپ کا سولھواں ہے بچگانے جوتے چھوٹے ہوتے ہیں۔ بھلا میں سب کے پاؤں کے لئے ایک انداز کا جوتا کیسے بنا سکوں گا۔"

رئیس خاموشی سے کچھ دیر تک اُس کی بات سُنتا گیا۔ پھر غصہ اور ترشروئی کے لہجہ میں جواب دیا "نادان موچی! تو نے تمام محلہ والوں کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ تو کہتا ہے۔ سب تیرے ہی اصول کی پیروی کریں۔ حالانکہ سب کی طبیعتیں جُداگانہ ہیں۔ اگر سب کے لئے ایک ہی مذہب موافق آسکتا ہے۔ تو ایک ہی ناپ کے جوتے بھی سب پاؤں کے لئے موافق ہونگے۔"

موچی پاؤں پر گرا۔ میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں۔ اب آج سے کبھی مذہبی معاملات میں چھیڑ چھاڑ نہ کرونگا "عیسیٰ بدین خود موسیٰ بدین خود" کے مسئلہ کا پابند رہونگا۔"

سادہو کے نیک پڑھنے والو! کیا اِس قصہ کے نتیجہ سے تمہارا بھی اتفاق ہے؟"

(۷۸) کیوں کیسے پکڑے گئے

ایک کاریگر اپنے فن کا بہت بڑا ماہر تھا۔ وہ اِس طرح کی چیزیں بناتا تھا۔ کہ نقل کو اصل سے تمیز کرنا مشکل تھا جب موت کے دِن نزدیک آئے۔ اُس نے غور کیا "کسی طرح جم کے دوتوں کو دھوکا دینا چاہیئے۔" آخر سوچ ساچ کر اُس نے اپنی شکل کے پانچ سات بُت تیار کئے۔ اور سب کو ایک ساتھ ایک جگہ پر قایم کر دیا۔ جب جم کے دوت رُوح قبض کرنے آئے۔ اُن کو سخت حیرت ہوئی۔ ایک ہی شکل و صورت کے مختلف و متعدد آدمی موجود تھے۔ کس کو چھوڑیں۔ کس کو لیجائیں۔ قدرت میں کوئی دو چیز ایک شکل کی نہیں ہیں۔ اور جگہ تو وہ بہ آسانی اپنا کام کر لیتے تھے۔ مگر یہاں اُن کی دال نہ گل سکی۔ پریشان ہو کر [illegible] واپس گئے۔ اور اپنی ناقابلیت کا دُکھڑا

کہہ سُنایا۔ جمراج نے کچھ اُن کے کان میں جُھک کر کہہ دیا
وہ پھر اُس کاریگر کے پاس آئے۔ اور حیرت کی نگاہ سے دیکھ
کر کہنے لگے۔ واہ واہ! کیا کاریگری ہے۔ کاریگر کا ہاتھ چوم
لینا چاہیئے۔ مگر افسوس! ایک نقص رہ گیا“ خود پسند
نادان کاریگر جذبہ میں آکر بول اُٹھا ”وہ کیا نقص ہے“
اور اُسی وقت جم کے دوتوں نے اُس کے گلے میں رسّی
ڈال دی۔

گلہ کیوں کرتی ہے اے بُلبل نادان ہر دم
تو گرفتار ہوئی اپنی صدا کے باعث

(۷۹) گرو گوبند سنگھ جی کی تعلیم

ہندوستان میں گورو گوبند سنگھ ہی غالباً ایسے بزرگ
گذرے ہیں۔ جن کی تعلیم میں حد درجہ کی رعونت خودداری
اور اپنے قوت بازو پر بھروسہ رکھنے کا مادہ موجود ہے۔
جس وقت میں آپ نرائنا میں پہونچے۔ جو جے پور کے علاقہ
میں ہے۔ اور جہاں دادو پنتھیوں کا اکھاڑہ ہے۔ اُس پنتھ
کا مہنت اُن سے ملنے کے لیئے آیا۔ بات چیت کرنے کے بعد
اُس نے دادو صاحب کی تعلیم کے اظہار کے خیال سے چند
دوہے گرو صاحب کو سُنائے۔ انہوں نے سب کی اصلاح

کی اور کہنے لگے ”یہ خیال گو پہلے زمانہ کے لئے اچھا رہا ہو۔ مگر
اب اس کا نتیجہ ناقص ہو رہا ہے۔ اس لئے اس میں تبدیلی کر
دینا چاہیئے۔ جو لوگ مقتضائے وقت کو نہیں دیکھتے۔ اپنا اور
اپنے ملک والوں کا نقصان کرتے ہیں“ دادو پنتھیوں نے
گوبند سنگھ کے دوہوں کو بھی اپنی کتاب میں شامل کر لیا۔
اُن میں سے دو ایک بطور نمونہ یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

دادو صاحب۔ دادو دعوا دور کر نر دعوا دن کاٹ
کیتی سوداگر گئے پنساری کے ہاٹ

گوبند سنگھ صاحب۔ دادو دعوے آد کا۔ نر دعوے کیسا
دل کی دُرمت دُور کر۔ سوداگر ایسا

دادو صاحب۔ جیوت ماتی ہو رہو۔ سائیں سُنمکھ ہوئے
دادو پہلے مر رہو پیچھے مرے سب کوئے

گوبند سنگھ صاحب۔ جو جیوے بنسے نہیں جو بنسے نہیں سانچ
دادو دکھ سکھ پر ہرو۔ نہیں سانچ کو آنچ

وغیرہ۔ وغیرہ ؎

(۸۰) آتما کا انبھو

کِس کی خوشی اور ناخوشی ہے کس کی
[illegible] ہے کس کی

ہم اپنے میں رہتے ہیں ہمیشہ سرشار
دوری کس کی ہم آغوشی ہے کس کی
میدانوں کے جنگلوں کے منظر دیکھے
گل و گلشن و نخل و برگ و اشجر دیکھے
دریا کی روانی اور پہاڑوں کی فضا
ہر ایک میں جلوے اپنے یکسر دیکھے
جبروت بھی ہم ہیں اور لاہوت بھی ہم
ناسوت بھی ہم ہیں اور ہیں ہوت بھی ہم
آباد و عدم کا وہم بھی ہے ہم ہیں
جن و انس بھی ہم ہیں اور ملکوت بھی ہم
ہم بد نہیں نیک بھی نہیں ہیں صاحب
ان دونوں سے اونچے ہم کہیں ہیں صاحب
رہتے ہیں جہاں وہاں کی کس کو ہے خبر
اس جا نہیں پانی اور زمیں ہیں صاحب

(۸۱) قید و آزادی ایک نرالا سبق

شی کیش جاتے وقت۔ میں لالہ تیج بھان جی کو کہہ گیا تھا۔ کہ باغ کی خبرداری کرنا۔ درخت ضائع نہ جانے پاویں۔ گرمی انتہا کی پڑ رہی تھی۔ جب درخت سوکھنے لگے۔ تیج بھان جی نے

گملوں کو اُٹھا کر برآمدہ میں رکھوا دیا۔ تاکہ دھوپ کی سختی اُن کو جھُلس نہ سکے۔ کچھ تو درخت خشک ہوگئے۔ باقی اور سب بچ رہے۔ میں نے جب واپس آکر اُن کو دیکھا۔ میرے باغ لگانے کے شوق کو ایک طرح کا صدمہ پہونچا۔ سایہ دار اور تنگ جگہ میں رہنے کی وجہ سے گویہ درخت زندہ ضرور تھے مگر اُن کی حالت نفرتناک تھی۔ ان کی سبزی کو دیکھ کر دل میں کراہیت پیدا ہوتی تھی۔ میں نے سمجھا۔ شاید اب درخت و سبزی لگانے کا جنوں میرے دل سے ہمیشہ کے لئے دور ہو جائیگا۔ مگر نہیں۔ برسات کا خوشگوار موسم آگیا۔ آسمان پر کالی کالی گھٹائیں چاروں طرف چھاگئیں۔ درخت برآمدہ سے نکال کر صحن کی کھلی ہوئی جگہ میں رکھ دیئے گئے۔ شروع شروع دو چار روز تو اُن کی طرف دیکھا نہیں جاتا تھا۔ مگر جب متواتر کئی دن ان کو کھلی ہوئی جگہ کی آب وہوا میں پرورش پانے کا موقع ملا۔ اُن کی حالت بدل گئی۔ رنگ و روپ میں فرق آگیا۔ درخت ہرے بھرے ہوگئے۔ ٹہنیاں لہلہانے لگیں نئے نئے کوپلوں کو دیکھ کر طبیعت کو نئی قسم کی فرحت ملنے لگی۔ اور میرا دل بیساختہ پھر اُن کی طرف متوجہ ہوا۔ سبب کیا ہے؟ سبب یہ ہے۔ ہمیشہ قید میں رہنے والے مخلوق مکروہ و بدصورت ہوتے ہیں۔ اور آزادی کی آب وہوا میں پرورش پانے والے خوبصورت ہوجاتے ہیں۔ جو اپنے آتما کو

باطل عقاید کے زنجیر سے مقید رکھیں گے۔ اِن میں روحانی شان
کبھی نہیں آویگی۔ حقیقت کے سمجھنے والوں کو آزاد منش بنا چاہئیے

نکتہ چین (۸۲)

اُستاد نکتہ چین ہے۔ اُپدیشک نکتہ چین ہے۔ سماجیں۔
سبھائیں سب نکتہ چینی پر تلی ہوئی ہیں۔ جو مذہبی کتابیں بھی
پڑھنے کو دی جاتی ہیں۔ اُن میں بھی شروع سے آخر تک نکتہ
چینی۔ حرف گیری اور عیب جوئی کے مضمون بھرے پڑے
یا ایشور! تیری پناہ! کیا یہ سامان کبھی انسان کو انسان
بنا سکتے ہیں۔ ایسے اُستاد کو فوراً ترک کر دو۔ جو حرف گیری
کی ناقص عادت سکھاوے۔ ایسے اُپدیشک کی کبھی مت
سنو۔ جو عیب جوئی کے سوا اور کچھ کہنا نہیں جانتا۔ ایسے
سماج و سبھا سے قطع تعلق کر لو۔ جہاں سوائے حرف گیری
کے اور کوئی بات نہیں کی جاتی۔ اور جن مذہبی کتابوں کے
مطالعہ سے تم میں لوگوں کے عیب دیکھنے کا جوش پیدا ہو۔
اُن کو جلا کر خاک سیاہ کر دو۔ تب میرے پاس آؤ۔ اور میں
تم کو بتا دونگا۔ تم انسان ہو۔ اور تمہارے بھائی یہ سب انسان
ہیں۔ اِن کے اور تمہارے اندر شاندار آتما بستا ہے۔ جو مجمع
الصفات ہے۔ یہ تمام عیبوں سے خالی ہے۔ تم میں کوئی عیب

نہیں ہیں۔ اور دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں ہے جو تم نہیں کر
سکتے ہو۔ آؤ۔ اپنی ذات اور اپنی اصلیت کا علم حاصل کرو۔
اور تم روحانیت کے آسمان پر مہر مُنیر کی طرح چمک اُٹھوگے

زبان اور اصلیت (۸۳)

سوامی رام تیرتھ جی نے کسی وقت اپنے ایک لیکچر کے
ضمن میں بہت اچھا قصہ سُنایا تھا۔ قصہ یہ ہے۔ تین لڑکوں
کو کسی شخص نے پانچ پیسے دیئے کہ جو جی میں آوے خرید
کر کے کھالو۔ ان لڑکوں میں سے ایک ہندو دوسرا پارسی
تیسرا انگریز تھا۔ یہ ایک دوسرے کی زبان اچھی طرح نہیں
سمجھ سکتے تھے۔ ہندو کہتا تھا۔ میں ہندوانہ لونگا۔ پارسی کہتا تھا
مجھ کو تربوز کھانے کی خواہش ہے۔ انگریز بچہ واٹر ملن
Water-milon خریدنے کے لئے زور دیتا تھا۔ یہ آپس
میں ایک دوسرے کے ساتھ دیر تک لڑتے جھگڑتے رہے۔
اتفاقاً اُدھر سے کسی آدمی کا گذر ہوا جو انگریزی۔ پارسی اور
ہندوستانی تینوں زبانیں سمجھتا تھا۔ اُس نے لڑکوں سے اُن
کی زبان میں سمجھا کر کہا کہ میں وہی چیز دونگا۔ جو تم چاہتے ہو
اور اُس نے اُن سے پیسے لے کر ایک تربوز خرید کیا۔ اور
اُس کے تین ٹکڑے کر کے تینوں میں تقسیم کر دیا۔ ہندو

لڑکا خوش ہو کر کہنے لگا۔ مجھے ہندوانہ مل گیا۔ پارسی بولا۔
میں نے تربوز پالیا۔ انگریز بچے نے کہا۔ یہی واٹر ملن ہے ٭
چیز ایک تھی۔ صرف زبان و نام کا فرق تھا۔ اسی طرح اصلیت
ایک ہے۔ مگر مذہب والے صرف نام کے اختلاف کی وجہ
سے آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ اگر کسی طرح اُن کی
آنکھوں کا پردہ دور ہٹا کر حقیقت کو دکھا دیا جائے۔ تو شاید پھر
یہ جھگڑا ہمیشہ کے لیئے دور ہو جائے۔ کبیر صاحب فرماتے ہیں

سبھے کا مت ایک ہے کیا پنڈت کیا شیخ

(۸۴) رُوحانی اصلاح

کسی شخص کو کسی قسم کے قاعدہ کی پابندی کے لیئے
مجبور نہ کرو۔ اگر کسی میں پریم کا مادہ نہیں ہے۔ تو وہ تمہاری
جبر و سختی کی وجہ سے پریمی یا بھگت نہیں بنجائیگا جس کی
جیسی حالت ہے۔ اُسی کے موافق اُس کا عمل و شغل ہوگا۔
اپنے اپنے ڈھنگ میں ہر شخص صاحب مذہب ہے۔ جس کی رُوح
جس حد تک بیدار ہوگئی ہے۔ وہ اُسی حد تک ایشور کی پرستش
کرسکتا ہے۔ اگر تم جبر کروگے۔ تو نتیجہ ناقص ہوگا۔ جلدی کس بات
کی ہے۔ قدرت خود بخود جنم جنمانتر کے سلسلہ میں لوگوں کی
طبیعتوں کی صفائی اور گڑھت کر رہی ہے۔ کیا تمہاری جلدی

سے کبھی کسی کی بھلائی ممکن ہے؟ ایشور کی کائنات کا انتظام
مکمل ہے۔ تم شانت چت ہو کر ایشور پر ایشور کے کام کو
چھوڑ دو۔ اپنے کام کو دیکھو۔ اگر ایشور نے سچ مچ تم کو کسی
کام کے لیئے اپنا اوزار بنا لیا ہے۔ تو اس کام کو سادگی۔ اور
پریم کے ساتھ بغیر جبر و کراہ کے انجام دو۔ اس کا پھل ایشور
کے اوپر چھوڑ دو۔ وقت آویگا۔ جب ہر شخص خود بخود اپنے استحقاق
و قابلیت کے بموجب رُوحانی طریق میں داخل ہوتا جائیگا۔
ہاں جو شخص آپ تمہاری مدد کی احتیاج ظاہر کرے اُس کو
مدد دو۔ اور بس٭

(۸۵) مفید خیالات

اگر اپنے ہمسایہ کے عیب پر تمہاری نگاہ ہمیشہ رہے گی
تو یاد رکھو۔ تمہارا اخلاق کبھی درست نہ ہوگا ٭
اعلےٰ خیالات والوں کو معمولی سمجھ والے پاگل اور مخبوط الحواس
سمجھتے اور کہتے ہیں۔ تم جسم نہیں ہو۔ روح ہو۔ اس خیال کو
اپنے دل میں مضبوطی سے قایم کر لو۔ چڑچڑے مزاج کا آدمی
ہمیشہ کسی نہ کسی قسم کی شکایت کیا کرتا ہے۔ ہوا کے چلنے سے
درخت کا پتا کھڑکا نہیں کہ اُس کا مزاج بگڑا نہیں۔
بدمزاج آدمی چاہتے ہیں۔ کہ دُنیا کا کام اِن کی خواہش
کے موافق ہو۔ مگر چونکہ ایسا نہیں ہوتا۔ وہ پریشان ہو جاتے

ہیں ؛

ہزار کوئی کسی کو دُکھ دینا چاہے۔ لیکن اگر وہ دُکھی نہیں ہونا چاہتا۔ تو کوئی اس کو پریشان نہ کر سکیگا؛

اگر تم کو دوسروں کے عیب دیکھنے سے غصہ آجاتا ہے۔ تو سب سے پہلے تم کو اپنے غصہ کی عادت دور کر دینی چاہیئے۔ کیونکہ غصہ سے بدتر عیب کوئی نہیں ہے ؛

طبیعت کی معقول طور پر گرفت کر لو۔ دُنیا کی بلیات و حادثات تمہارے مزاج کو درہم برہم نہ کر سکیں گی۔

اگر اپنی رُوح کے لئے سچ مچ عالیشان محل تیار کرنا چاہتے ہو۔ تو اچھے خیالات سوچا کرو۔ اچھے خیالات ہی اچھا جسم اچھا دماغ اچھی عقل اور اچھے حواس پیدا کر سکتے ہیں۔ یہ ہمارا نہیں۔ بلکہ مہاتماؤں کا بچن ہے ؛

ہر چیز مقدار مناسب کی ترکیب سے اچھی بنتی ہے۔ حلوا بنانے کے لئے آٹا۔ گھی۔ شکر۔ برابر برابر خواہ مناسب وزن میں ہوں۔ تو وہ اچھا بنیگا۔ اگر ایک بھی بڑھ گیا۔ خواہ گھٹ گیا تو وہ بگڑ جائیگا۔ اِسی طرح اچھی زندگی بسر کرنے کے لئے اچھے عادات اور اچھے شغل کا بھی بمقدار مناسب ہونا ضروری ہے

جس قدر تم اوروں سے بد دل و بیدل رہوگے۔ اُتنا ہی تم کو تمہارا دل دُکھ دیتا رہیگا۔ دوسروں کی طرف بھلائیاں دیکھا کرو۔ تم کو خوشی حاصل ہوگی۔ اور تم پاک صاف بنتے جاؤگے۔

جب یہ کہا جاتا ہے۔ کہ ہم کو سچ کے قبول کرنے میں ہمیشہ تیار رہنا چاہیئے۔ تو اُس کے معنے یہ ہوتے ہیں۔ کہ دوسرے لوگ اُن باتوں کو قبول کر لیں۔ جن کو ہم نے سچ مان رکھا ہے۔ ورنہ ایسے آدمی دُنیا میں شاذ ہی ملیں گے۔ جو سچائی کے قبول کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔

بھگوت گیتا کہتی ہے۔ جو دوسروں کو نقصان نہیں پہونچاتا اُس کو دوسرا بھی نقصان نہیں پہونچا سکتا۔ یہ اہنسا کی اعلےٰ تعلیم ہے۔

افلاطون کا قول ہے۔ جس شخص میں غور کرنے کی عادت ہے۔ وہ اپنی رُوح سے دو بدو کلام کرتا ہے۔

اگر تمہاری نگاہ دوسروں کی بھلائی پر پڑتی ہے۔ تو اُس کے معنے یہ ہیں۔ کہ تم میں بھلائی کی عادت پیدا ہو گئی۔ آپ بھلے تو جگ بھلا۔

جو بُرا ہے اُس کو تمام دُنیا بُری نظر آتی ہے۔ دُنیا میں سارا کرشمہ اپنے خیالات کا ہے ؛

تشنگاں را نماید اندر خواب
ہمہ عالم بچشم۔ چشمہ آب

اگر ایشور کا درشن منظور ہے۔ تو اُس کو اپنے میں دیکھ اور جگہ وہ کہیں نہ ملیگا؛

زندگی کو خوش اسلوبی کے ساتھ بسر کرنے کا راز سیکھ لو۔ اور کسی بات کی ضرورت نہیں ہے ؛

دنیا کے مال و اسباب لڑکے بالے اور دنیاوی تعلقات
کی وجہ سے تم بندھن میں نہیں ہو۔ بلکہ بندھن کا اصلی
سبب تمہارا اپنا دل اور تمہارا اپنا خیال ہے

اگر دنیا میں عیب نظر آتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے
کہ تم اپنے آپ کو مکمل بناؤ۔ نہ کہ دنیا کے ساتھ خواہ مخواہ
لڑتے جھگڑتے رہو۔

لقمان سے کسی نے پوچھا۔ "تو نے ادب کس سے سیکھا
ہے۔" جواب دیا بے ادبوں سے " (گلستان) اسی طرح تم
بھی دنیا کے عیبوں کو دیکھ کر بے عیب بننے کی کوشش کرو

جھوٹا مذہب اندریوں کو سکھاتا ہے۔ کہ آتما کو خوب جکڑ
رکھو۔ سچا مذہب آتما کو سکھاتا ہے۔ کہ اندریوں کو آزاد کر دو

تم جس قدر دنیا کو اپنی نیکیاں دوگے۔ اتنی ہی نیکی
تم کو ملیگی۔ تم روح کے جس طبقہ میں بیٹھ کر فیاضی کروگے
ویسے ہی تم میں اسی درجہ کے حساب سے ترقی آتی جائیگی۔
وہ طبقہ چاہے من کا ہو۔ بچن کا ہو خواہ کرم کا ہو۔

دھن دیئے دھن نا گھٹے ندی نہ گھٹے نیر
اپنی آنکھوں دیکھ لو۔ یوں کہتے کہیں کبیر

تم دنیا میں اس واسطے نہیں بھیجے گئے کہ تم سے دنیا کا
سدھار ہوگا۔ بلکہ اس واسطے بھیجے گئے ہو۔ کہ تم یہاں
آکر اپنا سدھار کرلو۔ دنیا کو صوفی مزرعۃ الآخرت کہتا ہے

ویدانتی کرم کشیئنر بتاتا ہے۔ تم اپنا سدھار کرلو۔ اور ہر جگہ
تم کو شانتی اور بھلائی نظر آنے لگے گی ٭

"مکتی" "کمال" کا مترادف ہے۔ صاحب کمال انسان جس
وقت مکمل بنجاتا ہے۔ پھر اس میں نقص نہیں آتا۔ ورنہ پھر
اسکو صاحب کمال کہنا غلطی ہوگی۔

جہاں تک ہوسکے نیک بن جاؤ۔ تم ایشور سے واصل
ہوجاؤگے۔ کیونکہ نیکی ہی ایشور ہے۔ نیک آدمی کے نزدیک
دکھ افلاس اور پریشانی نہیں آتی۔ وہ ہر حالت میں خوش
رہتا ہے۔

جس قدر تم دوسروں کو گیان سکھاتے ہو۔ اگر اسی
قدر خود گیان سیکھنے کی کوشش کرتے تو چند ہی روز میں
گیانی اور بزرگ بنجاتے۔

پر اپدیش کوشل بہتیرے
نج اپدیشہیں سونہ گھنیرے (تلسی داس)

جہاں دوسروں کو برائی نظر آتی ہے۔ اگر وہاں تم
کو خوبصورتی نظر آوے۔ تو سمجھ لو تمہاری روح بیدار ہو
رہی ہے۔ اور تمہارے آتما کے خلاف اندر ہی اندر اترتے
جارہے ہیں۔ کیونکہ روح نیک ہے۔ اس کو برائی کہیں
نہیں نظر آویگی۔ اگر ایشور اور ایشور کی قدرت کو تم
مکمل سمجھتے ہو۔ تو پھر کائنات میں بدصورتی اور برائی کیسے

آئی ؟ کامل ایشور کا کام کبھی ناقص نہیں ہوتا۔
ہمارے لیکچرار جب لیکچر دینے کھڑے ہوتے ہیں۔ کہنے
لگتے ہیں اگر یہ سامان ہوتا تو ہم کو کامیابی ہوتی۔ اگر یہ
چیز میسر آسکتی تو فوراً کام بنجاتا۔ مگر یہ سخت نادانی ہے
تم جس قدر نیک بنوگے۔ اُسی قدر تم کو اصلی کامیابی نصیب
ہوتی جاویگی۔ دُنیا میں اس کے سوا کامیابی کا اور کوئی
ذریعہ نہیں ہے ؛

(۸۶) سچی نماز

شکار میں راہ بھول گئی۔ دوپہر کا وقت قریب آگیا
اکبر نے پگ ڈنڈی کے نزدیک ایک درخت کے تلے جانماز
بچھالیا۔ اور نماز پڑھنا شروع کیا۔ اتفاق وقت ایک حسین
دیہقانی لڑکی جو اپنے شوہر کے خیال میں ہمہ تن غرق تھی
اُس کی تلاش کرتی ہوئی اُدھر سے نکلی۔ اور اکبر کے جانماز
کو روندتی ہوئی چلی گئی۔ بادشاہ کو سخت غصہ آیا۔ مگر
اُس وقت اس نے ضبط کر لیا۔ جب لڑکی اپنے شوہر کو
ساتھ لئے ہوئے واپس آئی۔ بادشاہ نے اُس کو لعنت ملامت
کی۔ لڑکی سمجھدار تھی۔ مُسکرائی۔ وہ کیا جانتی تھی۔ یہ دہلی
کا بادشاہ ہے جس کا نام سنکر بڑے بڑے بہادر تھرا جاتے

ہیں۔ اُس نے مذاقیہ پیرایہ میں جواب دیا۔

نر راچی سوجھی نہیں تم کس لکھیؤ سوجان
پڑھ قران بورے بھیؤ نہیں راچیو رحمان

ترجمہ۔ "مجھ کو انسان کے عشق نے بیخود بنا دیا تھا۔ اس
لئے میں تم کو اور تمہارے جانماز کو) نہیں دیکھ سکی۔ لیکن
اے عالم شخص! تم نے مجھ کو کیسے دیکھ لیا۔ (معلوم ہوا)
قران پڑھکر تم صرف باولے بن گئے ہو۔ اب تک تمہارے
سر میں ایشور کے عشق کا سودا نہیں سمایا۔"
بادشاہ اس جواب سے بہت خوش ہوا۔ لڑکی کو انعام
دیا۔ اور روائتیں کہتی ہیں۔ یہ دوہا اکثر اس کی زبان پر رہتا
تھا۔ تم کیسے عشق کے خواہشمند ہو؟

(۸۷) اصلی نماز

روایت ہے۔ خلیفہ علی۔ حضرت محمد صاحب کے صحابہ کرام
سے تھے۔ ان کی دانشمندی۔ سچائی۔ اور سچی دلیری زبان زد ہر
خاص وعام تھی۔ جنگ بدر کے موقع پر نماز پڑھتے وقت اُن
کے پاؤں میں تیر لگ گیا۔ اور وہ ایڑی میں گھس گیا۔
لوگوں نے نکالنے کی خواہش کی مگر محمد نے منع کیا۔ اور حکم
دیا۔ جس وقت علی نماز کے وقت گھٹنا ٹیک کر سجدہ میں

جاویں۔ اس وقت تیر آسانی سے نکل آئیگا۔ ایسا ہی کیا
گیا۔ جب وہ سجدے میں گئے۔ استغراق کی حالت طاری
ہوئی۔ لوگوں نے تیر کھینچ لیا۔ جب یہ فارغ ہوئے۔ دیکھتے
ہیں۔ تمام زمین خون سے سُرخ ہو گئی ہے۔ اور جانماز تر
ہے۔ اس کو اصلی پرستش کہتے ہیں۔

(۸۸) عشق حقیقی

جب کسی انسان کو کسی انسان کا عشق ہو جاتا
ہے۔ وہ از خود وارفتہ ہو جاتا ہے۔ تن بدن کا ہوش نہیں
رہتا۔ ننگ و ناموس کا خیال جاتا رہتا ہے۔ لعنت ملامت
بے سود ہو جاتے ہیں۔ اگر انسان میں پرماتما کے عشق
کا دم بھرتے ہوئے اتنا بھی نہیں ہوتا۔ تو سمجھ لو اُس میں
سچا عشق نہیں ہے۔ اُس کا سارا کام ظاہر داری کا ہے۔
اُس میں سچائی نہیں ہے۔ اگر آگ کے پاس جانے سے گرمی
محسوس ہوتی ہے۔ اگر کسی جھیل کے قریب جانے سے
سردی معلوم ہوتی ہے۔ تو پھر پرماتما کے قریب ہونے
سے جو پریم کا بھنڈار ہے۔ کس طرح پریم کا احساس نہیں
ہوگا؟ اس کی حالت میں تبدیلی آجانی چاہیئے۔ اُس کے
رگ رگ میں جذبہ عشق کے اثر کو پیدا ہو جانا چاہیئے۔

اور جس طرح حقیر کیڑا۔ بھرنگی کے تصور سے بھرنگی بن کر اور
پردار بنکر اُڑنے لگتا ہے۔ اسی طرح اس کی بھی کیفیت ہونی
چاہیئے۔ اگر یہ نہیں ہے۔ تو عشق کا سوانگ ہے۔ اصلیت
کچھ نہیں ہے۔

(۸۹) نیکدلی کی عادت

جو اپنی طبیعت کو نیکی کی جانب مائل رکھتا ہے۔ اور ہر
شخص کو مہربانی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اُس کی زندگی خود
بخود نیک بنتی چلی جارہی ہے۔ اور اس میں نیک دلی کی
عادت آتی جارہی ہے۔ اُس کا دل حسد اور کمینہ پن کی حالت
سے اُونچا اُٹھ رہا ہے۔ اور اُس کی زندگی ہر پہلو سے فراخ
اور کشادہ ہو رہی ہے۔ جہاں کہیں ہم آدمیوں سے ملتے ہیں
خواہ وہ اجنبی ہی کیوں نہ ہوں۔ مگر انسانیت کے رشتہ کا
خیال خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ اُن کے ساتھ میل ملاپ کی
خواہش ہوتی ہے۔ اگر دیکھو کہ تم میں یہ وصف موجود ہے
تو تمہارے نیکدل ہونے میں ذرہ بھی شک نہیں ہے گوتم
بُدھ کی تعلیم کا جوہر یہی ہے۔ کہ سب کے ساتھ مہربانی اور
محبت کے ساتھ پیش آؤ۔ ایسی عادت سے تم روز بروز دیوتا
بنتے جاؤ گے۔

اگر یہ عادت نہیں سیکھے - تو زندگی تلخ رہیگی - خود غرضی خود مطلبی - نفسانیت - اس کو ناکارہ اور نکما بنا کر چھوڑیگی - نیک بننا مشکل نہیں ہے - اپنے بچوں کو پیار کرو - بیوی کو پیار کرو - بھائی بند - ماں باپ اور پڑوسیوں کے ساتھ محبت کے ساتھ پیش آیا کرو - پس تمہاری عادت پڑ جائیگی -

فرض کرو - آج تم ارادہ کرتے ہو - کہ ہم ہر شخص کے ساتھ مہربانی سے پیش آوینگے - بلکہ عیب جوئی کی عادت کو جواب دو - پرسوں خود غرضی پر تبرا بھیجو - وعلیٰ ہذا القیاس اسطرح رفتہ رفتہ تم کچھ کے کچھ بنجاؤ گے ؛

(۹۰) ارادہ - خوبصورتی اور کاریگری

کہنے والے کہتے ہیں - یہ دنیا پانی - مٹی اور ہوا وغیرہ کا گولا ہے - اور یوں ہی بن گیا ہے - اس کا کوئی بنانے والا نہیں ہے - یوں ہی جب اتفاق سے عناصر کے اجزا باہم مل جاتے ہیں - خود بخود طرح طرح کی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں - کہنے میں تو یہ بہت اچھی بات معلوم ہوتی ہے - مگر غور کرنے والے جانتے ہیں - مٹی - پانی - آگ - ہوا - جڑ یعنی بے جان چیزیں ہیں - یہ خود بخود ہل کیسے سکتی ہیں - ان کو حرکت میں لانے والی بھی کوئی تمیز دار طاقت ضرور ہونی چاہیئے -

دوسرے اگر بفرض محال تھوڑی دیر کے لئے مان بھی لیا جائے کہ ایسا ممکنات سے ہے - تو پھر اس میں وہ دانائی کے پہلو کہاں نظر آویں گے - جن پر نگاہ پڑتے ہی ہم تم اور سب لوگ عش عش کر جاتے ہیں -

دنیا میں جتنی چیزیں ہیں - ان میں تین باتیں ہر جگہ نظر آویں گی - ارادہ اور خوبصورتی اور کاریگری - اور یہ تینوں باتیں کسی تمیز دار اور خالق کے ہستی کی ہر وقت شہادت دیتی رہتی ہیں -

ہاتھی کے پاؤں سخت ہیں اور اونچے ہیں - گردن چھوٹی ہے - اگر اس کی سونڈ لمبی نہ بنائی گئی ہوتی - تو وہ کیسے گھاس یا چارہ کھا سکتا تھا - اونٹ کی ٹانگیں لمبی ہیں - اس لئے اس کی گردن بھی لمبی بنائی گئی - کہ ہاتھی کی لمبی سونڈ اور اونٹ کی لمبی گردن سے بنانے والا کا ارادہ نہیں ظاہر ہوتا - ضرور ظاہر ہوتا ہے - اور اس لئے وہ صاحب ارادہ ہے - جڑ یا بیجان چیز صاحب ارادہ نہیں ہو سکتی ؛

خوبصورتی اور کاریگری تو قدرت کی ہر چیز میں نمایاں ہے - تمام کائنات مکمل خوبصورتی اور مکمل صنعت کا ظہور ہے - کسی چیز کو لے لو - چاہے اس کو تم حقیر ہی کیوں نہ سمجھتے ہو - اس کو ذرہ غور سے دیکھو - اور اگر تم کو دیکھنے والی آنکھ ملی ہے - تو تھوڑی ہی دیر بعد اس کے رگ رگ

اور ریشہ ریشہ میں تم کو کاریگری اور خوبصورتی دکھائی دیگی۔ درخت کے پتے گھاس کے تنکے۔ پھول کی پنکھڑیاں پھدکتی ہوئی چڑیا۔ رینگتے ہوئے کیڑے مکوڑے۔ مٹی کے ذرے۔ پہاڑ کے سنگریزے۔ سب میں حُسن اور سب میں اس صانع حقیقی کی صنعت کا ظہور ہے ؎

(۹۱) ٹکر گدا فقیر

کسی نے ایک بھیک مانگنے والے فقیر کو روٹی کا ایک ٹکرا دیدیا۔ اس نے روٹی لے لی اور چلتا بنا۔ یہ استعجاب اور حیرت کی نگاہ سے اس کو دیکھتا رہا۔ اور آخرکار اپنے اندرونی جذبہ کو ضبط نہ کر سکا۔ کہنے لگا۔ "ناسپاس۔ ناحق شناس! میں نے تجھ کو خیرات دی تو نے شکریہ بھی آدا نہیں کیا اور یوں ہی روٹی لے کر بے پرواہی سے چلا گیا،،

کیا اس قسم کے خیال کو تم غلط۔ بیہودہ اور کمینہ پن کا خیال نہ کہوگے؟ فقیر کیوں تمہارا شکریہ ادا کرے؟ تم نے اس پر کیا احسان کیا؟ بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو تم کو اُس بدحیثیت فقیر کا مشکور ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اگر وہ نہ ہوتا خواہ بھیک مانگنے والوں کا گروہ دُنیا سے معدوم ہو جاتا۔ اور کوئی کسی کی خیرات نہ قبول کرتا۔ تو کسی کو اپنے خیرات کے

مذاق میں ترقی دینے کا موقع کہاں ملتا! اور اس زبردست اور شاندار اخلاقی پہلو کی تکمیل کیسے ہوتی۔ تم کو خود شکر کرنا چاہیئے۔ کہ اُس فقیر کی حاجت براری تمہارے ہاتھ سے ہوگئی اور تمہارے دِل کے ایک نیک جذبہ کو ابھرنے کا ذرہ موقع ہاتھ آگیا ؎

اس بات کے سُنتے سُنتے کان پک گئے۔ کہ ہم کو دُنیا کا اپکار کرنا چاہیئے۔ تاکہ دُنیا کا بھلا ہو۔ اور اس خیال کو لیکر لوگ کالج بناتے ہیں۔ سکول کھولتے ہیں۔ یتیم خانے جاری کرتے ہیں۔ شفاخانے۔ مسافر خانے۔ تالاب کنوئیں۔ باغ۔ دھرم شالے بنوا دیتے ہیں۔ یہ سب کام بہت اچھے ہیں۔ اور لوگوں کو ضرور کرنے چاہئیں۔ مگر اِن سے دُنیا کا کیا اُپکار ہے؟ کیا ایشور کی دُنیا تمہارے دو پیسوں کی محتاج ہے؟ جب تک تم خیرات نہ کرو۔ تب تک وہ دُکھی رہیگی؟ نیک بختو! یہ خیال صریحی غلط ہے۔ دُنیا جیسی ہے ویسی ہے۔ اس کا بنانے والا رات دن بیدار رہ کر اپنے مذاق کے موافِق اس کو بناتا رہتا ہے۔ اس کو کسی بات کی کمی نہیں ہے۔ اور نہ وہ تمہارے حقیر خدمات کا محتاج ہے۔ آخر دیکھو تو سہی۔ تم ہو کیا چیز! اس وسیع لاتحد اور لامحدود کائنات میں ہمارے اور تمہارے ایسے ذلیل مخلوق کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ مگر پھر بھی کہا جاتا ہے۔ کہ ہم دُنیا کا اُپکار کرتے ہیں۔ خبردار! ایسے لفظ کبھی

زبان سے نہ نکلیں۔ ان میں اور ان سے ناقص غرور کی بو آتی ہے۔ بلکہ یہ کہو کہ اس قسم کے کام کرنے سے تمہارا اپنا اُپکار ہوتا ہے۔ اخلاق کی مشاقی کے موقع ملتے ہیں۔ دِل کی کثافت دور ہوتی ہے۔ نیکی آتی ہے۔ نیکی کی خوشی ملتی ہے۔ اور تم خوش ہو کر اپنا فرض ادا کر کے دُنیا سے چل بستے ہو؛

(۹۳) کُتّے کی دُم

سنو۔ تم کو ایک اچھا قصہ سُناتے ہیں۔ یہ محض قصہ ہے فرضی ہے۔ تواریخی واقعہ نہیں ہے۔ صرف مثال کی غرض سے یہاں اس کو بیان کرتے ہیں۔ اس کی غرض صرف اتنی ہی ہے۔ کہ تم لفظوں کے گورکھ دھندے میں نہ پھنسو۔ نفس مطلب پر نگاہ رکھکر اخلاقی سبق سیکھو؛

آمدم برسر مطلب۔ ایک شخص کو بھوت کے بس میں کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ بیچارے نے بہت منتر جنتر سیکھے۔ مگر بھوت بس میں نہیں آیا۔ تب وہ ویرانہ میں رہنے والے کسی مہاتما کے پاس گیا۔ اور کہنے لگا "بھگوں! کوئی ایسی تدبیر بتاؤ۔ کہ بھوت میرے قبضہ میں آجائے۔ اور میرا کام دھندا سب کچھ کر دیا کرے۔" مہاتما سیانا تھا بولا "بھوت بہت بُرے

ہوتے ہیں۔ اس خیال خام سے باز آجاؤ۔ تم اس کو کام کاج نہ بتا سکوگے۔ آخر میں وہ تم کو چٹ کر جائیگا۔ اس نے کہا۔ "میرے پاس بہت کام ہے۔" آخر اس مہاتما نے منتر بتا دیا۔ یہ گھر پر آکر منتر سدھ کرنے لگا۔ جب منتر سِدھ ہو گیا۔ بھوت ظاہر ہو کر کہنے لگا "بتاؤ کیا کام کروں۔" اس نے کہا "ایک عمارت بنادے" اور دیکھو

پل مارنے کی ہوئی جو دیری
سبحان اللہ شان تیری

خاصی عمارت بنی بنائی تیار۔ اس نے کہا۔ کھیت جوت آؤ۔ اور کھیت جوتا ہوا تیار تھا۔ روپیہ لاؤ۔ خزانہ وہیں حاضر غرضیکہ جو کچھ کہا سب کیا کرایا موجود۔ اب کوئی کام نہیں رہا بھوت نے کہا کام بتاؤ۔ ورنہ میں تمکو کھا جاؤں گا۔ یہ ڈرا مہاتما کے پاس دوڑا ہوا آیا۔ "بھگون! بھوت کو جو کچھ کہتا ہوں جھٹ پٹ کر دیتا ہے۔ اب میرے پاس کام نہیں ہے۔ بتاؤ کیا کروں۔ ورنہ وہ مجھکو کھا جائیگا۔" اتنے میں بھوت بھی کھاؤں کھاؤں کرتا ہوا پہنچ ہی تو گیا۔ مہاتما کے پاس ایک کتا بیٹھا تھا۔ آدمی کے ہاتھ میں خنجر دیکر اُس نے کہا "اس کی دُم کاٹ لے۔ اور بھوت سے کہہ کہ سیدھی کر دے" بھوت نے کُتّے کی دُم ہاتھ میں لے لی۔ ایک مرتبہ سیدھی کر دی۔ پھر جب اُس کو چھوڑ دیا۔ ٹیڑھی کی ٹیڑھی۔ ایک

دن گذرے۔ دو دن گذرے۔ تین دن گذرے۔ بھوت نے
ہزار کوشش کی۔ مگر کُتے کی دُم سیدھی نہیں ہوئی۔ تب تو
وہ بھی گھبرایا۔ کہنے لگا۔ بھائی! جو کچھ میں نے دھن دولت روپیہ
پیسہ دیا۔ سب کچھ تیرا مجھ کو چھٹی دیدے۔ یہ راضی ہو گیا۔
بھوت اپنے گھر گیا۔ یہ اپنے گھر گیا۔ چلو چھٹی ہوئی۔

یہ دنیا بھی کُتے کی دُم ہے۔ کوئی ہزار کوشش کرے۔
یہ کبھی سیدھی نہیں ہو سکتی۔ شفاخانے۔ مدرسے۔ کالج سب
کچھ بن گئے۔ شہر آباد ہو گئے۔ ذرہ سا بھونچال آیا۔ سب زمین
سے ملکر ایک ہو رہے۔ سب کچھ کیا کرایا مٹی میں مِل گیا قومیں
بنتی ہیں۔ بگڑتی ہیں۔ ملک آباد ہوتے ہیں۔ برباد ہوتے ہیں۔
کبھی سمندر کے عمق میں ہمالیہ کی چوٹیاں نمودار ہو کر آسمان
سے باتیں کرنے لگ جاتی ہیں۔ کبھی ہمالیہ کی جگہ سمندر لہرانے
لگتا ہے۔ دُنیا میں کیسے کیسے طلسم و ایجادات تھے۔ آج وہ کہاں
ہیں؟ غرضیکہ یہ خیال کرنا کہ ہم دنیا فایدہ پہونچا سکتے ہیں۔ اور
اچھا بنا سکتے ہیں۔ بالکل لچر اور بیمعنی بات ہے۔ کیا پدّی اور
کیا پدّی کا شوربہ! دُنیا ایشور کی ہے۔ تمہاری نہیں ہے۔
مگر ہاں تم کو موقع ہے۔ نیک کام کرتے ہوئے اپنے آتما کے
پردوں کے اُتارنے کا اہتمام کرو۔ اور وقت پر ہنسی خوشی
کے ساتھ دُنیا سے کوچ کر جاؤ۔

(۱۹۴) کارِ دُنیا کسے تمام نہ کرو

جب میں بمبی میں تھا۔ میرے ساتھ ایک کہار نوکر تھا۔
جب میرا پاؤں دبانے لگتا۔ تب اکثر کہا کرتا "بابوجی! لڑکے
ذرہ بڑے ہو جائیں۔ اور مجھکو ان کی طرف سے ذرہ فراغت
حاصل ہو جائے۔ اور یہ کام وہ کام ختم ہو جائے۔ تو میں دُنیا کو
ترک کر کے یادِ الٰہی کرونگا۔" میں ہمیشہ اُس نادان کی بات
سُن کر ہنس دیا کرتا تھا۔ کیونکہ میں خوب سمجھتا تھا۔ کاہے کو
نو من تیل ہوگا۔ اور کاہے کو رادھا ناچیگی۔

آج تک کوئی شخص ایسا نہیں گذرا جو یہ کہہ سکے کہ میں نے
دُنیا کا کام سب ختم کر لیا۔ معمولی گرہستی آدمیوں کے لڑکے
بالے ہوتے ہیں۔ ان کی شادی بیاہ سے فراغت ہو جاتی ہے
پھر پوتے پرپوتے ہوتے ہیں۔ غرضیکہ سلسلہ کبھی بند نہیں ہوتا
وہ اپنے وقت کو اسی حیص بیص میں گذار دیتے ہیں۔ کہ وقت
آئیگا۔ فرصت ملیگی۔ تب پرمارتھ کی طرف جھکیں گے۔ مگر ان کی
زندگیوں کو دیکھو۔ ساری عمریوں ہی پس و پیش میں گذر گئی۔
اور کچھ بھی کرتے کراتے نہیں بنا۔

یہ کون کہتا ہے۔ کہ تم دُنیا کو ترک کردو۔ یہ بالکل بیہودہ
خیال ہے۔ ان کی تہذیب واثرات کے سامنے کس کی

محال ہے۔ کہ قدیم وان پرستھ کی آئین کو زندہ کر سکے۔ وہ وقت
اور تھا۔ اب مقتضاء وقت اور ہے۔ لیکن یہ ہر شخص کر سکتا
ہے۔ کہ گھر میں رہ کر دُنیا کا بھی کام دھندا کرے اور کچھ مولیٰ
کی بھی یاد ہوتی رہے۔ دل بایار و دست بکار۔ آج کل جو ایشور
کے سچے بھگت ہیں۔ وہ اسی قسم کے ہیں۔ ورنہ تپو بن وغیرہ
میں چند مستثنیات کے سوا محض اپاہج ہی بستے ہیں۔ آدمی
کو چاہیئے۔ کہ اپنی زندگی باقاعدہ بنائے۔ اور اُس میں سے صُبح
و شام کچھ تھوڑا سا وقت بھگوت بھگتی کے لیئے نکال لے۔ یہ
کبھی نہ کہیے کہ دُنیا سے کنارہ کش ہو کر تب کام کریں گے۔ کیونکہ
اول تو کسی نے کبھی دُنیا کا کام پورے طور پر ختم نہیں کیا
دوسرے یہ خبر نہیں۔ کب یہاں سے کوچ کرنا ہو۔ اس لیئے
کچھ نہ کچھ رُوحانی سُکھ کا حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ تاکہ مرتے
وقت خوشی خوشی یہاں سے کوچ کریں ۔

(۹۵) تقلید اور نقل

یہ ایک عام بات ہے۔ لوگ کہتے ہیں۔ فلاں شخص کی
پیروی کرو۔ فلاں شخص کی متابعت کرو۔ اور تم ترقی کر جاؤ گے
لیکن ہم کو اب تک یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ کہ ہم کو کسی
شخص کے اندھا دھند تقلید سے کیسے کامیابی ہو سکتی ہے

دُنیا میں دو آدمی ایک وضع ایک خیال اور ایک طریقہ
کے نہیں ہیں۔ پھر محض تقلید کیا نتیجہ پیدا کریگی۔ ظاہرا تو یہ
معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُس میں جو کچھ اپنا ہے۔ وہ بھی ضائع ہو
جائیگا۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ''رام'' کی تقلید سے ''رام'' کے
اوصاف پیدا ہو جائیں گے۔ تو کیسے صحیح مان لیا جائے۔
شری رامچندر جی کی زندگی اور تھی۔ اُن کے سامان اور تھے
جس وقت میں وہ موجود تھے۔ وہ وقت اور تھا۔ اُن کے
تجربات اور تھے۔ ہم وہ سب سامان کہاں سے لا سکتے
ہیں۔ انسان کا چال چلن اُس کی زندگی کے حقیر و معمولی
واقعات کے تجربوں کا نتیجہ ہے۔ کچھ وہ اپنے ماں باپ سے
بطور وراثت کے پاتا ہے۔ کچھ اردگرد کے سامان سے سیکھتا
ہے۔ کیسے مان لیا جائے کہ تقلید کامیابی کی کنجی مُقلد کو حوالہ
کر دیگی۔

ایک پارسی زبان کا شاعر کہتا ہے۔

عبادت بہ تقلید گمراہی است
خنک رہروے راکہ آگاہی است

اب اس بات پر تھوڑی دیر کے لیئے غور کرو۔ کہ جن
لوگوں نے دُنیا میں نام پیدا کیا ہے۔ وہ مُقلد تھے یا نہیں؟
اور ہم صاف دیکھتے ہیں۔ کہ یہ بات اُن میں نہ تھی۔ ہر شخص
نے خاص خاص ڈھنگ اختیار کیا تھا۔ بدھ کا طریقہ اور تھا

شنکر مختلف الوضع کے انسان تھے۔ سوامی دیانند کچھ اور
ہی طور وخیال کے تھے۔ دویکانند کا اور ہی ڈھنگ تھا۔
ایک کو دوسرے سے ملا کر دیکھئے۔ کہیں مشابہت ہے۔ بالکل
نہیں یہ بات صرف مذہبی طبقہ میں نہیں بلکہ ہر جگہ اور زندگی
کے ہر کاروبار میں نظر آویگی۔ جن لوگوں نے تقلید کی مارے
گئے۔ اُن کی زندگی ناکامیاب رہی۔ ضرورت یہ ہے کہ ہم
تم اور سب لوگ سوچیں۔ کہ ہم میں کون سے اوصاف اور
خصوصیتیں ہیں۔ جن کے نشوونما دینے سے ہم اوروں
سے ممتاز رہیں گے۔ اور اگر اس راہ کو اختیار کروگے بھلا
ہوگا۔ ورنہ اپنی شخصیت اپنی فردیت اور اپنی خصوصیت
کو جلا کر خاک کردوگے۔ اور نتیجہ کچھ نہ ہوگا ؎

ہندو کیوں مخصوص ناکامیاب نظر آتے ہیں۔ سبب یہ
ہے۔ وہ ہر کام میں بلا ضرورت تقلید و نقل پر تلے ہوئے
ہیں۔ کسی کے ایک لڑکے نے بی اے پاس کیا۔ اور اعلےٰ
منصب دار بن گیا۔ ہمسایوں نے سمجھا۔ بی اے پاس کرانا
کامیابی کی کنجی ہے۔ سب کے لڑکے کالج کی طرف دوڑے
یہ نہیں سمجھا۔ کہ اُن کے مزاج میں کیا اختلافات ہیں۔ جو لوگ
بچوں کا مزاج اور میلان طبع جانچے بغیر محض نقل و تقلید کے
اصول پر تعلیم دیتے ہیں۔ وہ سوسایٹی اور قوم کے دشمن
ہیں۔ اور اُن اُبھرنے والی طبیعتوں کے کچلنے والے ہیں۔

جو اپنی اپنی خداداد ذہانت کے موافق ترقی کے نصف النہار
پر پک کر سوسایٹی کو شاندار بنائیں۔ ممکن ہے ہمارے
بچوں میں سے کسی کا طبعی میلان تجارت کی طرف ہو کوئی
طبابت کا خیال رکھتا ہو۔ کسی کا مذاق علم نباتات کی طرف
ہو۔ پھر تم کیوں اُن کے طبیعت کی جانچ پڑتال کرکے اُن
کو تعلیم نہیں دیتے۔ اور بیچاروں کو اپنی غلطی کا شکار بنا دیتے
ہو۔

یہ بات انگریزوں میں بالکل نہیں ہے۔ سب وہاں
بارہ پنسیری کا اصول اُن کے یہاں نہیں برتا جاتا۔ چنار
میں جب میں ہیڈ ماسٹر تھا۔ انگریزوں کے سکول ٹوٹ جانے
کی وجہ سے ایک لڑکا "فرنگ گلیسن" نامی مجھ سے علم
ریاضی اور انگریزی پڑھا کرتا تھا۔ اس کا ارادہ اعلےٰ تعلیم
حاصل کرنے کا تھا۔ اتفاقاً ایک دن میں اُس کی ماں باپ
کو دیکھنے گیا۔ وہاں اُن کے میز پر ایک چھپی ہوئی کتاب
رکھی تھی۔ جس میں ہر قسم کے پیشہ کی تعلیم اُن کے مدارس
اور پھر تحصیل علم کے بعد زندگی میں داخل ہونے کے متعلق
وسیع معلومات موجود تھے۔ میں اُس کو دیکھنے لگا۔ فرنک
کی ماں کہنے لگی۔ "اس کتاب کے گھر میں رکھنے کی غرض
یہ ہے۔ کہ ہم اپنے بچوں کے طبعی میلان کو دیکھ کر اسی ہانڈی
کے مطابق اُن کو مختلف قسم کے مدرسوں میں بھیجیں تو پھر مذہب

یہ کتنی دانائی کی بات ہے۔ کیا ہندوستانی ایسا نہیں کر سکتے
کر تو سکتے ہیں۔ مگر جب سوچیں سمجھیں بھی ؛

دنیا میں اس بات کی سخت ضرورت ہے۔ کہ ہر شخص اپنے
خصوصیت کے خاص لباس میں اپنی اصلیت کا جوہر دکھلا
دے۔ اُسی میں اس کو اصلی کامیابی نصیب ہوگی۔ لیکن اگر
وہ اوروں کو دیکھ کر اپنی اصلیت کو ملیا میٹ کر کے زبردستی
دل پر جبر کر کے دوسری راہ اختیار کریگا۔ مارا جائیگا۔ اور پھر
کامیابی نہ حاصل کر سکیگا۔ جس کام کے لئے تم کو نیچر نے وضع
کیا ہے۔ اُس کو سمجھو اُسی پر چلو۔ اگر دوسروں کی وضع اختیار
کروگے۔ تو اصلیت کو بھی کھو بیٹھوگے ؛

کلاغے تگِ کبک درگوش کرد
تگِ خویشتن ہم فراموش کرد

دنیا میں ہر شخص کی جگہ خالی ہے۔ پرکرتی ماتا بہت عقلمند
ہے۔ انسان یوں ہی بلا ضرورت نہیں پیدا ہوئے۔ مگر قدرت
کے منشا کو کمتر آدمی سمجھتے ہیں۔ جس میں مصوری کا مذاق ہے
بہتر ہے وہ وکیل نہ بنے۔ مصور ہو کر دنیا کے سٹیج پر اپنا تماشا
دکھائے۔ جس میں تجارت کا مادہ ہے۔ بہتر ہے۔ وہ ملازمت کا
خبط دل سے نکال دے اور تاجر بنکر شہرت و کامیابی حاصل
اصول
ہیں۔ اور اُن علیٰ ہذا القیاس ؛

(۹۶) مذہب اور مذہب کی سچائی

نادان کہا کرتے ہیں۔ مذہب کے معاملات میں عقل کو
دخل نہیں ہے۔ اور مذہب کی پیروی بھی یوں ہی بغیر سمجھے بوجھے
ہونی چاہیئے۔ یہ بالکل نادانی کی بات ہے۔ اگر عقل ایشور کی
بخشی ہوئی زبردست برکت اور قیمتی عطیہ ہے۔ تو سب سے
پہلے اُس سے مذہب کی جانچ کرنی چاہیئے۔ جو مذہب عقل
کی ترازو پر نہیں تلتا۔ وہ جس قدر جلد دنیا سے غائب ہو جائے
بہتر ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے گمرہی۔ و باطل پرستی کے پھیلنے
کا خوف ہے۔ اور گمرہی و ضلالت انسان کو بربادی کے منہ
میں جھونک دیتے ہیں ؛

ہم کیوں مذہب کی جانچ نہ کریں۔ جو لوگ مذہب کی جانچ
کے بغیر کسی اصول کو قبول کر لیتے ہیں۔ شک و شبہات کا چور
ہر وقت اُن کے دل کے گھر میں نقب زنی کیا کرتا ہے۔ اور
دیواروں کو توڑ پھوڑ کر جو کچھ روحانیت کا مادہ اندر ہوتا ہے
سب کو تاخت و تاراج کر دیتا ہے۔ بھول کر بھی یقین نہ کرو۔
کہ مذہب عقل کی کسوٹی پر نہیں کستا۔ وہ کبھی تمہاری
روحانی قوت کو مکمل کر سکیگا۔ اگر تم بازار کی حقیر ہانڈی
خریدتے وقت اُس کو ٹھونک بجا کر دیکھ لیتے ہو۔ تو پھر مذہب

کے بارہ میں پس وپیش کیسا؟ اس کی سب سے پہلے جانچنے
کی کوشش کرو۔

یقین رکھو۔ مذہب سچا اور ایشور سچا ہے۔ اور جو چیز سچی
ہے۔ اُس کو جانچ پڑتال کا کیوں خوف ہو؟ یہ صرف تمہاری
لاعلمی اور نادانی ہے۔ جو مذہب اور عقل کو مخالف ٹھہراتی
ہے۔ اصل میں ایسا نہیں ہے ۞

(۹۷) دھرم ادھرم نیکی اور بدی

مہابھارت میں ایک موقع پر جب کرن کے مارے جانے
میں دیر ہوئی۔ یودھشٹر نے ارجن اور اُس کی کمان کو سخت
سُست کہا۔ ارجن کے غصہ کی آگ مشتعل ہو آئی۔ اور اُس نے
کمان کو ہاتھ میں لے لیا۔ بھگوان شری کرشن اُس کے ارادہ
کو بھانپ گئے۔ فرمانے لگے۔ کیا ارادہ ہے؟ اُس نے کہا۔ میں
نے قسم کھائی تھی۔ کہ جو شخص میری کمان کو بُرا بھلا کہیگا۔ میں
اسکو جان سے ماردونگا۔ چونکہ یودھشٹر نے ایسا کہا ہے۔ میں
اُن کے قتل کے لئے کمان تان رہا ہوں" شری کرشن نے
اس کو بہت سمجھایا۔ مگر وہ باز نہیں آتا تھا اور پھر یہی کہتا رہا۔
کہ دھرم اس کے قتل کی اجازت دے رہا ہے۔ تب بھگوان
نے غصہ کے لہجہ میں کہا "نادانو! تم کو ذرہ بھی دھرم ادھرم

کی سمجھ نہیں ہے۔ تم ناحق دھرم دھرم چلّاتے ہو۔ مگر دھرم کے
مقتضا کو نہیں جانتے۔ کیا یودھشٹر کو مار کر تو دھرماتما کہلائیگا؟
تو نے کبھی دھرم کے اصلی مطلب کو بھی سمجھا ہے۔؟" ارجن اس
وقت متفکر ہو کر پوچھنے لگا۔ "بھگوان! پھر کیا کیا جائے۔؟" جواب
ملا "اس قسم کی قسمیں کھانا ادھرم ہے دھرم نہیں ہے۔ آئندہ
اس کا احتیاط رکھ۔ مگر چونکہ تجھ کو اپنی بات کا پاس ہے۔ اس
لئے یودھشٹر کو کچھ سخت سُست کہہ دے۔ تیری بات رہ جاویگی
عقلمندوں نے کہا ہے۔ کسی بزرگ کی توہین کرنا اسکے قتل
کے برابر ہے" ارجن نے ایسا ہی کیا اور وہ قصہ رفع دفع ہو گیا ۞

ہم ہندوؤں میں دھرم کی سمجھ کی سخت کمی ہے۔ شاذ آدمی
اس بات پر غور کرتے ہونگے۔ کہ دھرم کی اصلیت کیا ہے اور
وقت۔ تعلقات واردگرد کے واقعات اُس کو اس خاص موقع
پر کیا حیثیت عطا کرتے ہیں۔ اِس کا تو لحاظ کبھی نہیں کیا جاتا۔
مگر ہر کس وناکس گلا پھاڑ پھاڑ کر دھرم دھرم چلا رہا ہے۔ اور قوم
کی قوم ناحق نادانی کی شکار ہو رہی ہے ۞

ہر سخن موقع وہر نکتہ مکانے دارد

دھرم بہت اچھی چیز ہے۔ جو دھرم کی حفاظت کرتا ہے۔ وہ
زندہ رہتا ہے۔ جو دھرم کو مارتا ہے۔ خود مرجاتا ہے۔ مگر شرط یہ
ہے۔ کہ دھرم کے پہلو۔ خصوصیت۔ ومقتضاء وقت سب کو پیش
نظر رکھے۔ بھگوان کرشن نے فرمایا ہے۔ "اپنا دھرم چاہے خراب

معلوم ہو۔ اسکو ترک نہ کرنا چاہیئے۔ اور دوسرے کا دھرم چاہے
اچھا ہو۔ اسکو اختیار نہ کرنا چاہیئے۔" یہ کلام کس قدر پر معنی اور
وسیع ہے۔ مگر اس کے سمجھنے میں بھی کیسی نادانی کیجارہی ہے
دھرم سے مُراد یہاں مذہب خواہ پنتھ سے لیجاتی ہے حالانکہ
کہنے والے کا مطلب وہاں آشرم دھرم سے ہے۔ یعنی گرہست
کا دھرم گو ظاہراً سنیاسی کے دھرم سے بہتر نہ نظر آوے۔
مگر گرہستی کو اپنے ہی دھرم پر قایم رہنا چاہیئے۔ وعلیٰ ہذا لقیاس

(۹۸) وہ نادان ہے۔

ایک مموکشو اپنے گورو کے پاس جا رہا تھا۔ راہ میں ایک
شخص ملا کہنے لگا۔ تو کیوں اس گورو کے پاس جاتا ہے۔ وہ
نادان ہے۔ کچھ نہیں جانتا۔ نہ اس میں شدھی سکتی ہے۔ میرا
گورو بڑا دانشمند ہے۔ صاحب کمال ہے۔ دیکھ میں نے اُسکے
پاس رہ کر کمال حاصل کر لیا ہے۔ مموکشو نے اس شخص کی
باتیں سنیں۔ اور جواب دیا۔ "دوست! میں اپنے گورو [ک]
پاس صرف اس وجہ سے جاتا ہوں۔ کہ وہ کسی ک[illegible]
کرتے۔ اور نہ اپنی تعریف کرتے ہیں۔ اس وجہ [illegible]
اُن میں شردھا ہے۔"
یہ شخص شرم سے پانی پانی ہوگیا اور دم بخود رہ گیا

(۹۹) سچا علم

یودھشٹر جب کمسن تھے۔ اور لڑکوں کے ساتھ پڑھنے
جاتے تھے۔ جو کتاب پڑھائی جاتی تھی۔ اسمیں اخلاق اور نصیحت
کی باتیں لکھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے اس میں سے صرف دو
باتیں یاد کریں۔ (۱) "نیکی کرو" (۲) "غصہ نہ کرو۔"
کتاب جو پڑھائی جاتی تھی۔ سہل عبارت میں لکھی ہوئی
[تھ]ی۔ اور لڑکوں نے تو اُس کو برزبان یاد کر لیا۔ ان کو صرف
[د]و باتیں یاد رہیں۔ اُستاد ناراض ہو کر کہنے لگا۔ "کند ذہن لڑکے
[م]یں دیکھتا ہوں۔ تو اور لڑکوں کے ساتھ نہیں چل سکتا۔ دیکھ
وہ کیسے فر فر تمام کتاب سُنا رہے ہیں۔ اور تو نے اب تک
صرف دو باتیں یاد کی ہیں۔"
یودھشٹر نے جواب دیا۔ "میں نے یہ دو باتیں بھی اب تک
اچھی طرح نہیں سمجھی ہیں۔ کیونکہ اب تک ان پر پورا پورا عمل نہیں
[کیا] ہے۔ جب تک اِن کو عمل میں نہ لا سکوں اور زیادہ پڑھنا لا
حاصل سمجھتا ہوں۔"

معلوم ہو۔ اسکے ...
اچھا ہو۔ اسکے ...

نیکی ہی دراصل خوشی ہے

ایک شکاری نے کسی گانے والے پرند کو پکڑ لیا۔ اور اُس کے ذبح کرنے کے لئے چھری اُٹھائی۔ پرندنے کہا "میرے اوپر مہربانی کر اور مجھ کو قتل مت کر"۔ شکاری نے معصوم چڑیئے کی صورت کی طرف نگاہ کی کہنے لگا "ایک شرط پر تم کو رہا کردونگا تم یہ بتاؤ۔ میں کیوں دُکھی رہتا ہوں۔ اور تم کیوں اتنی سُکھی ہو۔ اور دن بھر گاتی رہتی ہو؟ گویا تمہارے لئے دُکھ پیدا ہی نہیں ہوا ہے"۔ پرندنے کہا "مجھ کو تمہاری صورت دیکھکر خوف معلوم ہوتا ہے۔ مجھ کو رہا کردو۔ اور میں ابھی تمکو سبب بتاؤں گی"۔

میں نے اس کو رہا کردیا۔ چڑیا اُڑکر ایک شاخ پر بیٹھی اور کہنے لگی "تم اس واسطے دُکھی رہتے ہو۔ کیونکہ تم بُرے آدمی ہو۔ بُرائی تمہارے دل کو ہر وقت کُریدتی رہتی ہے۔ اور ہم خوش ہیں۔ کیونکہ ہم نیک ہیں۔ اور کسی کو نقصان نہیں پہونچاتے"۔

بہلئے کے دل میں یہ بات اثر کر گئی اور اُس روز سے اُس نے بُرائی کرنا چھوڑ دیا"۔